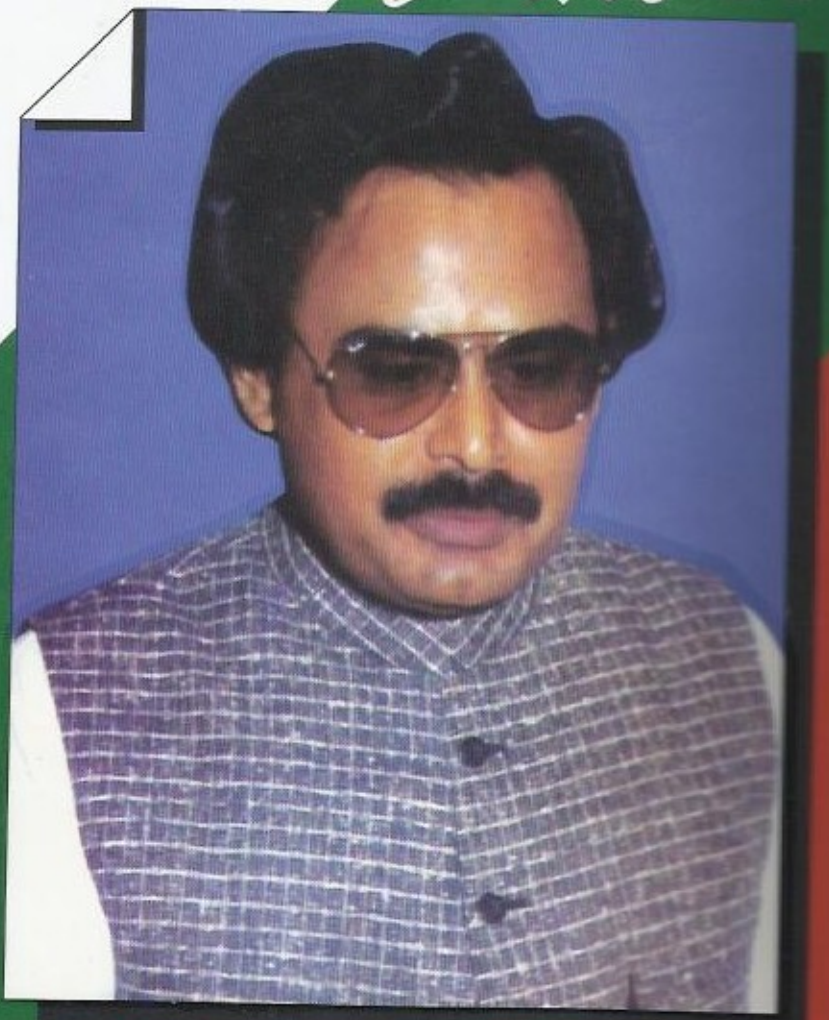
سفرِ زندگی

ایم کیو ایم کی کہانی
الطاف حسین کی زبانی



خالد اطہر

فرید پبلشرز

سفرِ زندگی

الطاف حسین

فرید پبلشرز
فون:
32770057

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفرِ زندگی

الطاف حسین اور خالد اطہر

سفرِ زندگی

ایم کیو ایم کی کہانی، الطاف حسین کی زبانی

مرتبہ: خالد اطہر

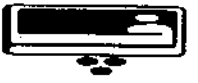
فرید پبلشرز

اجلے ذہنوں کے لئے روشن کتابیں شائع کرنے والا ادارہ

جملہ حقوق محفوظ

ناشر	:	سید عبدالمنعم فرید
اشاعت	:	ستمبر 1988ء
اشاعت دہم	:	فروری 2010ء
اشاعت یازدہم	:	جون 2011ء
قیمت	:	-/200روپے
تعداد:	:	2000
پرنٹر	:	ایم ذکی پرنٹر کراچی

اس کتاب کی گیارہویں اشاعت کا اہتمام فرید پبلشرز اردو بازار کراچی نے کیا



فرید پبلشرز

12، مبارک محل، نزد مقدس مسجد،

اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32770057

Cell: 0345-2360378 - 0331-9277005

E-mail : mdfaridbooks1@live.com

انتساب

اہلِ پاکستان کے نام

ضروری وضاحت

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد جناب الطاف حسین کی ابتدائی جدوجہد پر مبنی کتاب ''سفر زندگی'' 1988ء میں ترتیب دی گئی تھی اور یہ کتاب جناب الطاف حسین کی 1988ء تک کی زندگی کے حالات پر مبنی ہے۔ چونکہ 1988ء میں ایم کیو ایم ''مہاجر قومی موومنٹ'' تھی اور اس کی جدوجہد کا دائرہ صرف محروم و مظلوم مہاجروں کے حقوق کی جدوجہد تک محدود تھا۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ''سفر زندگی'' کو 1988ء کے حالات کے تناظر میں پڑھیں۔ 26 جولائی 1997ء کو مہاجر قومی موومنٹ ''متحدہ قومی موومنٹ'' میں تبدیل ہوگئی اور اس کی جدوجہد کا دائرہ ملک گیر سطح پر پھیل گیا اور وہ اب ملک بھر کے تمام محروم و مظلوم عوام کے حقوق کے حصول اور انہیں جبر و استحصال سے نجات دلانے اور ملک سے فرسودہ جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ کی جدوجہد کر رہی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں کہ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد جناب الطاف حسین کس قدر سخت اور صبر آزما جدوجہد اور کیسے کٹھن حالات و واقعات، مشکلات اور امتحانات سے گزر کر آج اس مقام پر پہنچے ہیں۔ ہمیں قوی امید بلکہ یقین ہے کہ ''سفر زندگی'' معاشرے میں انقلاب برپا کرنے اور حالات کو بدلنے کی خواہش دل میں رکھنے والے ہر فرد میں ایک نیا عزم اور حوصلہ پیدا کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر عمران فاروق
(کنوینر متحدہ قومی موومنٹ)

ترتیب

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد	11
تحریک کا آغاز	12
پی ایس سی میں داخلہ	18
پی فارمیسی میں داخلہ	19
طلبہ یونینوں کا کردار	20
پانچویں قومیت کا تصور	22
تحریک نظام مصطفیٰ اور میرا رول	24
قومی اتحاد سے میری وابستگی	25
مہاجر موومنٹ کا تصور	28
سندھ میں لسانی فسادات کا ذمہ دار کون	29
اے پی ایم سو کے قیام کا پس منظر	30
اے پی ایم سو کے قیام کا ردعمل	32
اے پی ایم سو کا دائرہ کار	32

ہاسٹل میں کمرہ کے حصول کے لئے درخواست	34
جامعہ کراچی کی پہلی داخلہ مہم	34
مشن میں کامیابی کی لگن	35
تحریک کے لئے فنڈ کی ضرورت	36
ایک اور مہاجر طلبہ تنظیم	38
طلبہ یونینوں کے انتخابات میں حصہ	40
تعلیمی اداروں کی صورتحال	44
تعلیمی اداروں سے اخراج کے بعد	45
ایم کیو ایم کا قیام	45
ایم کیو ایم کی اہمیت	47
مہاجر عوام کی ثابت قدمی	51
بلدیاتی انتخابات میں کامیابی	53
کراچی میں امن وامان کی صورتحال	54
ڈرگ مافیا کا کردار	54
جیل کے تجربات	55
مارشل لاء عدالت سے سزا	57
دوسری مرتبہ گرفتاری	57
جیل کے اندر تفتیش	59
تیسری بار جیل جانا	60
جی ایم سید سے میری پہلی ملاقات	61
ایم کیو ایم تحریک میں جی ایم سید کا عمل دخل	61
جی ایم سید	62
ایم کیو ایم اور سندھ کے دوسرے لیڈر	64
ایم کیو ایم کا عوام کے حقوق کے متعلق موقف	65
ایم کیو ایم کے توسیع کے منصوبے	68
ایم کیو ایم ملکی یا قومی سیاست میں	69
ایم کیو ایم کی افغان پالیسی	72

پیر صاحب پگاڑا کی سیاسی پیش گوئیاں	75
کراچی کے میئر کا انتخاب	76
سندھ میں مقامی پولیس	76
سندھ میں کوٹہ سسٹم اور ہمارا موقف	77
کراچی کی آبادی اور ایم کیو ایم کا موقف	78
کراچی میں امن وامان کی صورتحال	78
مہاجر ایک علیحدہ قومیت	79
پہلا دور یا قبائلی دور	80
دوسرا دور یا جاگیردارانہ دور	82
تیسرا دور یا جدید صنعتی دور	82
قوم اور قومیت	83
مہاجر قومیت کی ابتداء	85
قومیت کا تشخص قائم رکھنے کی خواہش	87
ایم کیو ایم کی مقبولیت کی وجہ	89
ایم کیو ایم سے دشمنی	90
متعدد بار حملے	93
انتخابات میں حصہ	96
میری شادی کا مسئلہ	96
تحریک میں گھر والوں کا حصہ	96
کالا باغ ڈیم	99
لفظ ''مہاجر'' پر سارا زور کیوں!	100
مہاجر کون	100
حرف آخر	102
چارٹر آف ریزولیشن میں شامل نکات کی تفصیلات	105

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد

۱۷ ستمبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پیدا ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول جیل روڈ سے میٹرک اور سٹی کالج کراچی سے انٹر سائنس کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں اسلامیہ سائنس کالج سے بی۔ ایس۔ سی کیا۔ ۱۹۷۹ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی فارمیسی کرنے کے بعد ایم۔ فارمیسی میں داخلہ لیا لیکن بعض ناگزیر حالات کے تحت یونیورسٹی چھوڑنے پر مجبور ہوا

کراچی کے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ ہاسپٹل میں بطور ٹریننی کام کیا۔ ایک پاکستانی اور ایک غیر ملکی دواساز کمپنی میں ملازمت کی۔ پھر اپنے بھائی کے پاس امریکہ چلا گیا اور ڈیڑھ سال بعد واپس آیا

جامعہ کراچی میں ۱۱ جون ۱۹۷۸ء کو آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (اے۔ پی۔ ایم۔ سو) کی بنیاد رکھی۔ قبل ازیں ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بطور کارکن بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قومی اتحاد اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی کا صدر اور جنرل سیکرٹری رہا ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو مہاجر قومی موومنٹ (ایم۔ کیو۔ ایم) تشکیل دی۔

اب تک تین بار گرفتار ہو چکا ہوں۔ پہلی بار ۱۴ اگست ۱۹۷۹ء کو مزار قائداعظم پر مہاجرین مشرقی پاکستان کو پاکستان لانے کے لئے مظاہرہ کرنے پر گرفتار کیا گیا اور ۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو فوجی عدالت سے ۹ ماہ قید بامشقت اور ۵ کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ کراچی سنٹرل جیل میں پورے ۹ ماہ کی قید سخت کاٹی البتہ ہائی کورٹ نے کوڑوں کی سزا پر عمل درآمد روک دیا۔ دوسری بار ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو حیدر آباد میں ایم۔ کیو۔ ایم کے تاریخی جلسہ عام میں شرکت کے بعد ٹھٹھہ کے راستہ کراچی واپس آتے ہوئے گھگر پھاٹک سے گرفتار کیا گیا۔ آخری بار ۳۰ اگست ۱۹۸۷ء کو رضا کارانہ طور پر گرفتاری پیش کی کیونکہ

پولیس ایم۔ کیو۔ ایم کے کارکنوں کے گھروں پر چھاپے مار رہی تھی اور ان کے عزیز و اقارب کو تنگ کر رہی تھی۔ مجھ پر بہت سے مقدمات قائم کئے گئے جن میں ایک پولیس والے کی ٹوپی چوری کرنے کا الزام بھی شامل تھا۔ بلدیاتی انتخابات میں سندھ کے شہری علاقوں میں ایم۔ کیو۔ ایم کے حمایت یافتہ امیدواروں کی بڑے پیمانہ پر کامیابی کے بعد حکومت نے مجھے ضمانت پر رہائی کی پیشکش کی ۔ جسے میں نے مسترد کر دیا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۸۸ء میں میرے ساتھ ایم۔ کیو۔ ایم کے تمام نظر بند عہدیداروں' کارکنوں اور حامیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا اور ان پر قائم کئے گئے تمام مقدمات واپس لے لئے گئے۔

میرے دادا محترم مولانا مفتی رمضان حسین آگرہ (یو۔ پی' بھارت) کے مفتی شہر اور جید عالم دین تھے۔ میرے نانا حاجی حافظ رحیم بخش بھی عالم دین تھے۔ میرے والد نذیر حسین انڈیا میں اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ہجرت کرنے کے بعد کراچی میں ایک مل میں آفس ورک پر مامور رہے اور ۱۳ مارچ ۱۹۶۷ء کو انتقال کر گئے۔ ۵ دسمبر ۱۹۸۵ء کو میری والدہ بھی انتقال کر گئیں۔

میرے چھ بھائی ہیں۔ پانچ بڑے اور ایک چھوٹے ۔ میرے علاوہ تمام بھائیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔

۱۹۷۰ء میں پہلے نیشنل سروس کیڈٹ اسکیم کے تحت اور بعد میں ۵۷۔ بلوچ رجمنٹ میں شامل رہا۔ سندھ اور بلوچستان میں ایک سال کی فوجی تربیت بھی حاصل کی۔ فیڈرل "بی" ایریا کراچی میں ۱۲۰ مربع گز پر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے مکان میں میری رہائش ہے۔ کرتا' پاجامہ اور واسکٹ میرا پسندیدہ لباس ہے۔

سندھ کی شہری سیاست میں جس تیزی سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت' عزم' حوصلہ بخشا یہ سب بڑوں کی دعاؤں اور ساتھیوں کی حمایت سے حاصل ہوا۔ آج صوبہ کے شہری علاقوں کے متوسط اور غریب عوام بھی جس محبت اور عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ بھی سب مولا کریم کا کرم ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ مقام میں نے راتوں رات حاصل کر لیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے جدوجہد کی ایک طویل داستان اور کٹھن راہ ہے اور یہ ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد مجھے ملا ہے۔

تحریک کا آغاز

یہ غالباً ۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔ ہم کراچی میں جہانگیر روڈ کے ایک کوارٹر میں رہتے تھے۔ یہ سرکاری ملازموں کی بستی ہے اور اس دور میں یہاں پاکستان کی مختلف زبانیں بولنے والوں کے علاوہ بہت سے بنگالی بھی رہتے تھے۔ جو سرکاری ملازم تھے۔ دوسرے بچوں کے ساتھ ساتھ کئی بنگالی بچوں سے بھی میری دوستی تھی اور میں ان کے گھر آتا جاتا تھا۔ ایک رات میں اپنے ایک بنگالی دوست کے ہاں بیٹھا ہوا

تھا۔ وہاں اس کے کئی عزیز و اقارب جمع تھے اور بڑے پرجوش انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں پوری بات تو نہیں سمجھ سکا۔ لیکن ان کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ ہم ایک علیحدہ دیش بنائیں گے یا ہم الگ ہو جائیں گے۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ آخر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔ ہم نے پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ میری بات کے جواب میں انہوں نے اپنے بہت سے مسائل بیان کئے جو میں سمجھنے سے قاصر تھا کیوں کہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ بعد میں میں نے اپنے اس بنگالی دوست سے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کو سمجھاؤ کہ ہم نے یہ پاکستان بڑی محنتوں اور قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور یہ لوگ ایسی باتیں کیوں سوچ رہے ہیں کیونکہ مجھے پاکستان سے اس وقت بھی بے پناہ محبت تھی اور یہ محبت آج بھی اسی طرح موجود ہے اس لئے کہ پاکستان کی بنیادوں میں ہمارے بزرگوں کا خون شامل ہے اور اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کے لئے جو قربانیاں دی گئیں ان کا صحیح طور پر کہیں تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات میں بھی یہ حقیقی تصویر پیش نہیں کی جاتی کہ پاکستان بنانے کے لئے برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں نے کیا کچھ قربانیاں دی تھیں اور کس کس طرح اپنی جانوں کو اپنے نوجوان بیٹوں اور بیٹیوں کو اور اپنے اہل خاندان کو اس پاکستان کے حصول کے لئے قربان کیا تھا۔ جن لوگوں نے صحیح معنوں میں قربانیاں دیں نہ تو ان کی کوئی یاد منائی جاتی ہے نہ کہیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے اور نہ ہی نئی نسل کو یہ بتایا جاتا ہے کہ پاکستان کس طرح تشکیل پایا۔ بہرحال اس دور میں، میں چھٹی یا ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ میں اس بنگالی دوست یا اس کے گھر والوں کو کیا سمجھا سکتا تھا۔ آخر کار ۱۹۷۱ء آیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا۔

میں نے جس گھر میں پرورش پائی تھی۔ وہاں حب الوطنی کا درس دیا جاتا تھا۔ میرے گھر والوں کو پاکستان سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ مجھے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت سے جنگ چھڑی تو اس وقت میری عمر گیارہ بارہ سال ہوگی۔ اس وقت میرے جو جذبات تھے وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں بہت غور سے ریڈیو پر خبریں سنتا تھا، جب مجھے یہ علم ہوتا کہ اب دشمن نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے تو میرے جذبات یہ ہوتے تھے کہ میں کسی بھی طرح فوج میں شامل ہو کر بارڈر پر چلا جاؤں اور اپنی سرزمین کا دفاع کروں لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت یہ ممکن نہ تھا۔ اس وقت دشمن کے ہوائی حملے سے بچنے کے لئے شہر میں جگہ جگہ خندقیں کھودی گئی تھیں۔ ہمارے علاقے میں بھی خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔ اپنے جذبات کو تسکین دینے کے لئے ہم محلہ کے لڑکوں کے ساتھ مل کر دو الگ الگ فوجیں بناتے تھے۔ ایک فوج پاکستان کی ہوتی تھی اور دوسری ہندوستان کی۔ بچوں کی یہ دونوں فوجیں اپنی اپنی خندقوں میں چلی جاتی تھیں۔ پھر دوسری فوج پاکستان کی فوج پر حملہ کرتی تھی اور پاکستانی فوج اپنا دفاع کرتی تھی۔ میں ہمیشہ پاکستان کی فوج میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ہم اس کھیل کے ذریعے خود کو یہ تسلی دیتے تھے کہ جب ہم بڑے ہوں گے تو فوج میں شامل ہو کر اپنی سرحدوں کا دفاع کریں گے۔

اس سے قبل میری آرزو یہ تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں لیکن ۱۹۶۵ء کی جنگ میں میرے خیالات میں تبدیلی آگئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں فوج میں شامل ہوں گا تاکہ ملک کے دفاع کی جو آرزو پیدا ہوئی ہے اس کی تکمیل ہو سکے۔ یہ غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے میں کراچی کے سٹی کالج میں انٹر سائنس کا طالب علم تھا۔ یحییٰ خان کی حکومت نے ان دنوں لازمی فوجی سروس کی ایک "نیشنل کیڈٹ سروس اسکیم" شروع کی تھی جس کے تحت ہر میٹرک پاس نوجوان کو ایک سال تک لازمی طور پر فوجی خدمات انجام دینا تھیں۔ چنانچہ تمام کالجوں سے 'پہلے کورس کے لئے لڑکے منتخب کرنے کی غرض سے کارروائی شروع ہوئی۔ اس وقت میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں کس طرح خود کو منتخب کرالوں کیونکہ نہ تو میری کوئی سفارش تھی اور نہ ہی میرے والدین کوئی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ فوجیوں کی ٹیم لڑکوں کے انتخاب کے لئے ہمارے کالج میں بھی آئی انہوں نے ہمارے ٹیسٹ وغیرہ لئے' جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں نے وہ ٹیسٹ کوالیفائی کر لئے ہیں اور میں بھی نیشنل کیڈٹ سروس اسکیم کے لئے منتخب کر لیا گیا ہوں تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ گھر واپس آ کر میں نے والدین سے ضد کر کے پیسے لئے اور اپنے محلے میں دوستوں اور دوسرے لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی۔ سلیکشن کے بعد ہمیں ٹریننگ کے لئے بھیج دیا گیا۔

میری ابتدائی تربیت کراچی کینٹ سے شروع ہوئی۔ کچھ دن کے بعد ہمیں حیدر آباد کینٹ لے جایا گیا۔

ہم حیدر آباد میں ٹریننگ کر ہی رہے تھے۔ کہ مشرقی پاکستان میں جنگ شروع ہو گئی۔ جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں بے چین ہو گیا۔ کہ بس کسی طرح مجھے محاذ جنگ پر مشرقی پاکستان بھیج دیا جائے۔ میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ میں اپنے وطن کا دفاع کرتے ہوئے دشمن کے دس بارہ آدمیوں کو مار دوں اور پھر مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔ ٹریننگ کے دوران شام کو ہماری پی۔ ٹی ہوتی تھی۔ ایک روز پی۔ ٹی کے بعد میں غسل کر کے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے اپنے بیڈ پر آیا۔ وہاں اوپر نیچے دو بیڈ ہوتے تھے اور میرا بیڈ اوپر تھا میں اپنے بیڈ پر کپڑے نکال ہی رہا تھا کہ باہر سے نعرہ تکبیر 'اللہ اکبر کی گونج سنائی دی۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ اب جنگ مغربی پاکستان کی سرحدوں پر بھی شروع ہو گئی ہے۔ میں نے قمیض پہنے بغیر ہی اوپر سے چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہوا باہر آیا وہاں بہت سے زیر تربیت نوجوان موجود تھے انہوں نے بتایا کہ مغربی سرحدوں پر بھی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ یہ سن کر میں نے بھی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہ سوچ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اب تو ہمیں بھی لازمی طور سے محاذ پر بھیجا جائے گا۔ ہم صبح شام اسی بات کے منتظر رہتے تھے کہ کب ہمیں یہ خوش خبری سننے کو ملے۔ ہم روزانہ اپنے انسٹرکٹرز اور وہاں موجود فوجی افسران سے کہتے تھے کہ آپ ہماری یہ درخواست آگے پہنچائیں کہ ہم بھی محاذ پر جانا چاہتے ہیں۔ آخر کار ایک دن اچانک رات ڈیڑھ بجے ہمیں اپنا سامان باندھنے کا حکم دیا گیا۔ فوجی نظم و ضبط

کے پیش نظر ہم نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہمیں کہاں جانا ہے لیکن ہم سمجھ گئے کہ ہمیں کسی نہ کسی محاذ پر بھیجا جارہا ہے۔

حیدر آباد سے ہمیں ٹرین میں سوار کرادیا گیا۔ چونکہ دشمن کے ہوائی جہاز مختلف علاقوں پر رات کو بمباری کر رہے تھے اس لئے ہماری ٹرین جگہ جگہ رک جاتی تھی۔ اس روز ہم نے حیدر آباد سے کراچی تک کا سفر ۱۴ یا ۱۵ گھنٹے میں طے کیا۔ کراچی کینٹ سے ہمیں ٹرکوں میں بٹھا کر قریب ہی واقع ٹرانزٹ کیمپ لے جایا گیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہمیں مشرقی پاکستان بھیجا جارہا ہے کیونکہ ہم نے جن ہتھیاروں کی تربیت لی تھی وہ زیادہ "کلوز بیٹل" (Close Battle) یعنی دوبدو جنگ میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہمارے دو دستے کیماڑی پہنچادیئے گئے۔ جنہیں بحری راستہ سے مشرقی پاکستان جانا تھا لیکن صرف ایک ہی روز بعد واپسی ہو گئی اس لئے کہ ناکہ بندی کی وجہ سے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ مجھے اس صورت حال سے شدید دھچکا لگا کیونکہ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے دل میں ایک عرصہ سے جو آرزو مچل رہی ہے اس کی تکمیل کا وقت آگیا ہے۔ ان دنوں کراچی پر شدید بمباری ہو رہی تھی اور کیماڑی پر نصب آئل ٹینکر بھی دشمن کی بمباری کی زد میں آچکے تھے۔ یہ دیکھ دیکھ کر ہمیں اور بھی غصہ آتا تھا۔ بھارتی طیارے سطح سمندر سے بہت قریب ہو کر حملہ آور ہوتے تھے اس لئے ہمارا ریڈار ان کی نشاندھی نہیں کر پاتا تھا اور وہ کراچی کی حدود میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

اسی دوران فوری طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ "نیشنل کیڈٹ سروس اسکیم" کے تمام کیڈٹوں کو "57۔ بلوچ رجمنٹ" میں تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم سب کو "57۔ بلوچ رجمنٹ" کا نام دے کر ٹرکوں میں بٹھا کر بلوچستان سیکٹر کے قریب "سون میانی" (مکران کے ساحل پر واقع بندر گاہ) روانہ کر دیا گیا۔ کیونکہ بھارتی طیارے اسی طرف سے حملہ آور ہوتے تھے راستہ میں ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ بس اب تو جنگ لڑیں گے، اپنے دشمن کو ماریں گے اور پھر خوشی کے ساتھ اپنی جان بھی وطن پر قربان کر دیں گے۔

سون میانی پہنچ کر ہم نے کیمپ لگا دیئے اور دفاعی تیاریاں شروع کر دیں، خندقیں وغیرہ کھودیں اور مورچے سنبھال لئے، لیکن چند ہی دنوں میں جنگ بندی ہو گئی۔ بہر حال ہمارے کمانڈر نے یہ فیصلہ کیا کہ "57۔ بلوچ رجمنٹ" جو پوری کی پوری طلبہ پر مشتمل ہے، اس کی تربیت صرف چھاؤنیوں تک محدود رہی ہے اور اس کی بارڈر ٹریننگ ابھی تک نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کی ٹریننگ کا یہ حصہ یہاں مکمل کر دیا جائے۔

سون میانی میں ہم دل و جان سے اپنی بارڈر ٹریننگ مکمل کر رہے تھے۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ٹریننگ کے دوران بہت سی چیزیں ایسی ہوتی تھیں کہ وہ فوری طور پر تو سمجھ میں نہیں آتی تھیں کہ یہ کیا ہیں لیکن جب بعض باتیں کھل کر سامنے آئیں تو انتہائی اذیت ہوئی۔ بارڈر ٹریننگ کے دوران دو تیمیں بنادی

جاتی تھیں۔ رات کی ٹریننگ کا ایک حصہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن پر کس طرح حملہ کیا جاتا ہے اور جب دشمن حملہ کرے تو دفاع کس طرح کیا جاتا ہے' جنگلوں میں جا کر دشمن کے مورچوں پر کس طرح حملہ کیا جاتا ہے ہم یہ دیکھتے تھے کہ ہمیں روزانہ اس ٹیم میں شامل کیا جاتا تھا جو پہاڑیوں اور جنگلوں میں سے ہوتی ہوئی ایک لمبا راستہ طے کر کے اس مورچہ تک آتی تھی جس پر ہمیں حملہ کرنا ہوتا تھا۔ پہلے تو ہم اس بات پر بہت خوش ہوتے تھے کہ ہمیں زیادہ اچھی ٹریننگ مل رہی ہے اور جس سے بہتر امیدیں وابستہ ہیں۔ اسی سے زیادہ مشقت لی جا رہی ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور چیز کار فرما ہے۔ ہمارے جو حوالدار صاحب تھے وہ اپنے خاص لوگوں کو پیچھوں کے قریب بنی ہوئی خندقوں میں بٹھا دیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو طویل اور مشکل راستوں پر دوڑاتے تھے۔ پھر بھی ہم نے اس چیز کو کوئی اہمیت نہیں دی اور سوچا کہ اس محنت سے ہمیں فائدے ہی حاصل ہونگے۔ ہماری تربیت زیادہ اچھی ہوگی۔ تربیت کے دوران ایک ٹیم خندقوں میں چھپتی تھی اور دوسری چھپ کر اس پر حملہ آور ہونے کا مظاہرہ کرتی ہے۔ خندق کے قریب ایک لائن ہوتی تھی اگر حملہ کرنے والی ٹیم اس لائن کو کراس کر کے چارج کہہ دے تو اس کی کامیابی تھی اور اگر اس کے لائن کراس کرنے سے پہلے خندق میں چھپی ہوئی ٹیم اسے "ہالٹ" کہہ دے تو یہ اس ٹیم کی کامیابی تھی۔ ایک روز یہ ہوا کہ ہم نے بڑی محنت سے چھپتے چھپاتے کراالنگ کرتے ہوئے لائن کراس کی اور زور سے چارج کا نعرہ لگایا لیکن جیسے ہی ہم نے چارج کہا ویسے ہی خندق سے تھم یعنی ہالٹ کا نعرہ لگایا گیا۔ اس پر میں نے کہا کہ بھئی پہلے ہم نے چارج کہا ہے۔ ہمارے حوالدار بھی وہیں موجود تھے اس نے مجھے آواز دی "اوئے کیا شور کرتا ہے"۔ میں نے اس سے کہا کہ استاد پہلے میں نے چارج کہا ہے۔ وہ کہنے لگا اوئے تو نے پہلے کیسے کہا ہے"۔ اس کے بعد اس نے جو جملہ کہا میں فوری طور پر اس کا مطلب سمجھ نہیں سکا۔ اس نے کہا اوئے تم کیا جنگ کرو گے تم کو فوج میں کس نے بھرتی کر لیا ہے" تم کراچی میں رہنے والے' شہروں میں رہنے والے چائے پینے والے ٹیڈی پتلونیں پہننے والے..... تم کیا جنگ کرو گے"۔ اس حوالدار نے نہ صرف مجھے بلکہ شہر میں رہنے والوں کو اور ان کی ماؤں بہنوں کو نہ جانے کن کن ناموں سے پکارا۔ اس پر مجھے بے حد صدمہ ہوا اور غصہ بھی بہت آیا۔ میں نے اس سے کہا استاد میں تو بڑے جذبہ کے ساتھ شامل ہوا تھا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ تم کراچی میں رہنے والے کس طرح جنگ کرو گے۔ اس کی باتیں سن کر میرے ذہن سے وہ سوچیں چلی گئیں جو بچپن سے میرے ذہن میں تھیں کہ میں فوج میں جاؤں گا اور پاکستان کی خاطر اپنی جان دیدوں گا۔ اس حوالدار کی باتوں نے میرا سارا تصور چکنا چور کر دیا۔ میں کس خواہش' کس تمنا' کس آرزو کتنی شدت جذبات کے ساتھ اور کتنی محبت و عقیدت کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ اور میرا مقصد صرف یہ تھا کہ وطن کی خاطر اپنی جان دیدوں۔



11 جون 1978، آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے قیام کا اعلان

میں نے صوبیدار میجر کو رپورٹ کی اور کہا کہ فوج کے جو اعلیٰ افسر ہمیں لیکچر دینے آتے ہیں وہ اپنی ہر تقریر میں کہتے ہیں کہ فوج ایسی جگہ ہے جہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ میں نے صوبیدار میجر کو وہ تمام باتیں بتائیں جو حوالدار نے مجھے کہی تھیں میں نے کہا کہ میں تو بڑے جذبہ اور بڑی عقیدت سے یہاں آیا تھا اور یہاں میرے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ میری رپورٹ پر حوالدار کو بلایا گیا۔ میں خوش تھا کہ اب میرے ساتھ انصاف ہو گا۔ میں فیصلہ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا لیکن معلوم یہ ہوا کہ ہمیں سزا کے طور پر دوسرے دن "پٹھو پریڈ" شروع کرا دی گئی۔ حوالدار کے بجائے ہمیں سزا دی گئی کہ تم نے نظم و ضبط کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ میں ایک ہفتہ تک "پٹھو پریڈ" بھگتتا رہا۔

اس واقعہ کے بعد جب میں نے غور کرنا شروع کیا تو بہت سی باتیں سامنے آئیں۔ حالانکہ میرے احساسات بہت بری طرح مجروح ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود میں مایوس نہیں ہوا تھا اور خدانخواستہ میں نے اپنے ذہن میں کوئی منفی سوچ پیدا نہیں ہونے دی' نہ ہی کوئی منفی رویہ اختیار کیا بلکہ میں نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ یہ ایک فرد کی غلطی ہو سکتی ہے' یہ صرف ایک فرد کی سوچ ہو سکتی ہے اور اگر کسی کی ایسی سوچ ہے تو میں اس سوچ کو بدلنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔

تربیت کے دوران میں نے پورے خلوص کے ساتھ یہ کوشش کی کہ میں تمام مشقوں کو اور تمام کاموں کو پوری دیانتداری سے انجام دوں تاکہ میں اپنے اندر زیادہ سے زیادہ صلاحیت اور استعداد پیدا کر سکوں اور کسی بھی برے وقت میں وطن کے دفاع کے لئے اس ٹریننگ سے فائدہ اٹھا سکوں۔ حالانکہ اس دوران میں برابر یہ محسوس کرتا رہا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارا راشن اور دوسری ضروریات کا سامان جس جگہ سے آتا تھا وہ جگہ کیمپ سے فاصلہ پر تھی۔ وہاں سے لکڑیاں' راشن اور دوسرا سامان اٹھا کر کیمپ میں لانا پڑتا تھا۔ تو ہوتا یہ تھا کہ یہ کام زیادہ تر ہمیں ہی کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ "ویک اینڈ" پر گھر جانے کے لئے جو نائٹ پاس جاری ہوتے تھے ان میں بھی امتیاز برتا جاتا تھا۔ وہاں پر جو دوسرے مہاجر لڑکے تھے میں نے ان سے کہا کہ ہمیں اس سلسلے میں افسروں سے بات کرنا چاہئے' پہلے تو وہ ہاں ہاں کر دیتے تھے لیکن بعد میں ڈر اور خوف کی وجہ سے بات کرنے پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔

بی ایس سی میں داخلہ

ایک سال کی ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد ہمیں کراچی کینٹ لایا گیا اور پھر وہاں سے (Release) ریلیز کر دیا گیا۔ تربیت کے دوران مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ ہمارے ملک میں مختلف

قومیتوں کی بات ہوتی ہے۔ مجھے اس بات سے شدید تکلیف پہنچی کیونکہ اس سے پہلے نہ میں نے ایسی باتیں سنی تھیں نہ سوچی تھیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ یہاں ایک ہی قوم کی بات ہو یعنی پاکستانی قوم کی۔

تربیت مکمل ہونے کے بعد 1972ء میں میں نے اسلامیہ سائنس کالج میں بی ایس سی (پری میڈیکل گروپ) میں داخلہ لے لیا۔ وہاں پہنچ کر بھی میں نے یہی کوشش کی کہ تعصب کو ختم کیا جائے اور کسی ازم کی بات نہ ہو بلکہ سب لوگ خود کو صرف پاکستانی سمجھیں۔ بہرحال اسلامیہ کالج سے میں نے بی ایس سی کر لیا۔

بی فارمیسی میں داخلہ

اسلامیہ کالج سے بی ایس سی کرنے کے بعد میں نے جامعہ کراچی میں قدم رکھا۔ میں بی فارمیسی میں داخلہ لینا چاہتا تھا۔ لیکن جب ہمارا رزلٹ آیا تو اس وقت فارمیسی میں داخلے مکمل ہو چکے تھے۔ اس پر بی ایس سی پاس کرنے والے ان طلبہ نے جو بی فارمیسی میں داخلہ کے خواہشمند تھے' جامعہ کے وائس چانسلر اور دوسرے ذمہ دار حضرات سے بات کی کہ ہمارا تو رزلٹ ہی تاخیر سے آیا ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے' اگر ہمیں داخلہ نہیں ملے گا تو ہمارا سال ضائع ہو جائے گا جبکہ ہم' اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کو داخلہ دینے سے صاف انکار کر دیا جس پر ہم نے ایک "بی ایس سی ایکشن کمیٹی" قائم کی اور پرامن احتجاج کا سلسلہ شروع کر دیا کیونکہ یہ ڈیڑھ دو سو طالب علموں کے مستقبل کا سوال تھا۔ ہم نے بینرز لگائے' پلے کارڈ لے کر مظاہرے کئے اور اپنا مطالبہ جاری رکھا کہ ہمیں بی فارمیسی میں داخلہ دیا جائے۔ ہم اساتذہ کے علاوہ ایکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ کے ارکان سے مل کر انہیں اپنا مسئلہ بتاتے رہے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ جب رزلٹ ہی فارمیسی میں داخلے مکمل ہونے کے بعد آیا ہے تو داخلہ سے محروم کر کے ہمارے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔ جامعہ کراچی ہی نے رزلٹ کا اعلان کیا ہے اور اسی نے داخلے کئے ہیں تو یہ اس کی ذمہ داری ہے بہرحال تحریک چلتی رہی۔ کامیابی کی امید بہت کم تھی اس لئے بہت سے ساتھی ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ آخر میں صرف چالیس طلبہ رہ گئے جو روزانہ یونیورسٹی آتے تھے اور اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

جب گفت و شنید اور پرامن احتجاجی مظاہروں سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا تو ہماری ایکشن کمیٹی نے بھوک ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے میں نے بھوک ہڑتال شروع کی تھی کیونکہ میں اس ایکشن کمیٹی کا چیئرمین تھا۔ ہم مستقل مزاجی سے 9 ماہ تک یہ مہم چلاتے رہے' یہ صورتحال دیکھ کر انتظامیہ نے مہم کو ناکام بنانے کے لئے کچھ لڑکوں کو داخلہ دینے کا اعلان کر دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی

صدمہ ہوا کہ ان لڑکوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ یونیورسٹی کی انتظامیہ اس سے بہت پہلے مجھے کئی بار یہ پیشکش کر چکی تھی کہ تم ایکشن کمیٹی توڑ دو' ہم تمہیں داخلہ دے دیتے ہیں' بعد میں انہوں نے یہ پیشکش بھی کی کہ تم اپنے علاوہ دو نام اور دے دو ہم انہیں بھی داخل کر لیں گے لیکن میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں نو ماہ سے صرف اپنے یا اپنے دو ساتھیوں کے داخلہ کے لئے تحریک نہیں چلا رہا ہوں بلکہ اس تحریک میں جو بھی طلبہ شامل ہیں ان سب کو داخلہ ملنا چاہئے۔ اگر داخلہ ملے گا تو سب کو ملے گا ورنہ کسی کو بھی نہیں ملے گا۔ لیکن جب انتظامیہ نے کچھ ساتھیوں کو داخلہ دے دیا اور ان ساتھیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑا دیا تو مجھے اس کا بڑا دھچکا لگا لیکن پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری۔ جو ساتھی ہمارے ساتھ رہ گئے میں نے انہیں تسلی دی کہ وہ ہمت نہ ہاریں۔ میں نے اس کے بعد اکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ کے ارکان سے فرداً فرداً ملاقاتیں شروع کیں اور یہ صورتحال ان کے سامنے رکھی کہ انتظامیہ نے ہماری تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں ان ارکان کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی دیانتداری کا ثبوت دیا جس کے نتیجہ میں انتظامیہ کو وہ چند داخلے منسوخ کرنا پڑے اور بالآخر ہماری تحریک کامیاب و کامران ہوئی اور تمام ساتھیوں کو بی فارمیسی میں داخلہ ملا۔

طلبہ یونینوں کا کردار

اس ایکشن کمیٹی میں پنجابی لڑکے بھی تھے' پختون لڑکے بھی تھے لیکن ماضی کے تلخ تجربوں اور افسوس ناک واقعات کے باوجود میں نے سب کیلئے یکساں آواز اٹھائی اور سب کو داخلہ دلوایا کیونکہ میں ان چیزوں کو سخت ناپسند کرتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ یہ تعصب کسی طرح ختم ہو جائے۔ میں نے یہ نہیں کیا کہ صرف خود داخلہ لے لیا ہو یا صرف مہاجر لڑکوں کو داخلہ دلوایا ہو بلکہ سب کو ایک ساتھ داخلہ دلوایا۔

ایک بات کا میں ذکر کروں جس نے مجھے سب سے زیادہ اسٹرائک کیا' وہ یہ تھی کہ جب میں نے پہلے روز جامعہ کراچی میں قدم رکھا تو وہاں کچھ اس قسم کے بینرز لگے ہوئے دیکھے۔ "پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن" ' "جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن" ' "پنجابی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن" ' "بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن" ' "کشمیری اسٹوڈنٹس فیڈریشن" ' "گلگت اسٹوڈنٹس فیڈریشن" ' قبائلی اسٹوڈنٹس فیڈریشن" ۔ وغیرہ وغیرہ! جب میں نے یہ بینرز اور یہ نعرے دیکھے تو مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے سوچا کہ جامعہ کراچی میں یہ تنظیمیں کیوں تشکیل دی گئی ہیں' ان کا جواز کیا ہے۔ لیکن میرے سوالوں کا جواب نہ پہلے کسی نے دیا تھا نہ اس وقت کسی نے دیا۔

ان بینرز اور ان نعروں نے مجھے مزید سوچنے پر مجبور کیا کہ آیا ہم کون ہیں؟ نہ تو ہم بلوچ ہیں' نہ ہم پختون ہیں' نہ پنجابی ہیں' نہ سندھی ہیں' نہ کشمیری ہیں' نہ گلگتی ہیں' نہ قبائلی ہیں۔ تو آخر ہم کیا ہیں.....؟ جواب ملا' ہم تو پاکستانی ہیں.....! لیکن معلوم یہ ہوا کہ دوسرے لوگ تو اپنی پہلی شناخت' اپنی قومیت کو سمجھتے ہیں۔ پھر ہم نے یہ سوچا کہ آخر یہ تنظیمیں بنی کیوں؟ ان کی تشکیل کی وجہ اور ان کے مقاصد کیا ہیں' تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں تین تنظیمیں اہم اور بااثر تھیں۔ ایک اسلامی جمعیت طلبہ' دوسری پروگریسو اسٹوڈنٹس اور تیسری پاکستان لبرل اسٹوڈنٹس۔ یہ تین تنظیمیں الیکشن کے موقع پر قومیتوں اور علاقوں کے نام پر بننے والی تنظیموں کے ساتھ سودے بازی کر کے ان کے امیدوار اپنے پینل میں شامل کرتی تھیں۔

یہ صورتحال ہمارے لئے بڑی حیرت انگیز تھی۔ پروگریسو کا نعرہ تھا کہ ہم ترقی پسند ہیں لیکن انتخابات کے موقع پر ان پر پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن' بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن' جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور قبائلی اسٹوڈنٹس وغیرہ کا اثر ورسوخ ہوتا تھا جبکہ اسلامی جمعیت طلبہ پر پنجابی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا اثر و رسوخ ہوتا تھا۔ یعنی جب جامعہ کراچی میں انتخابات ہوتے تھے تو وہ تنظیمیں جو آفاقی اور بین الاقوامی' اسلامی اور آفاقی نعروں کو چھوڑ کر' محض ووٹ لینے کی خاطر علاقائی تنظیموں سے الائنس (ALLIANCE) کرتی تھیں اور ان کو بھی کوئی نہ کوئی سیٹ (SEAT) دیتی تھیں۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ کم از کم پروگریسو لو' لبرل کو یا اسلامی جمعیت طلبہ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پروگریسو ترقی پسندی کا نعرہ لگاتی ہے اور جمعیت اسلام کا نعرہ دیتی ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لیکن یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ ہمیشہ الیکشن سے پہلے جمعیت "پی۔ ایس۔ ایف" سے ٹاکرا کرتی تھی اور اس میں پی۔ ایس۔ ایف جمعیت پر دباؤ ڈالتی تھی جس کے نتیجہ میں مخصوص امیدوار لئے جاتے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جمعیت کی فورس اور جمعیت میں شامل طلبہ کی اکثریت مہاجر تھی لیکن آپ جامعہ کے ناظموں کی فہرست اٹھا کر دیکھ لیں.....! ہم یہ دیکھ کر بہت حیران ہوتے تھے کہ جو تنظیمیں بین الاقوامی نعرے رکھتی ہیں اور علاقائیت اور صوبائیت کے خلاف ہیں وہ الیکشن کے زمانے میں علاقائیت یا قومیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی تنظیموں سے الائنس کر لیتی ہیں۔ دوسری طرف صورتحال یہ تھی کہ جن طلبہ کی اکثریت ہے' انہیں جامعہ میں داخلے نہیں مل رہے' داخلے مل رہے ہیں تو ہاسٹل میں کمرے نہیں دیئے جا رہے' جس علاقائی تنظیم کا جی چاہتا ہے وہ جامعہ میں وائس چانسلر کے دفتر کے سامنے مظاہرہ شروع کر دیتی ہے اور پریشر گروپ کی حیثیت سے اپنے لڑکوں کو داخلے دلوا دیتی ہے جب کہ کراچی کے سینکڑوں طلبہ مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ان طلبہ کے لئے بھی یہاں کوئی آواز اٹھانے والا ہے یا نہیں؟

میری کوشش یہ تھی کہ یہاں قومیت یا علاقائیت کے بجائے خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر بات ہونا چاہئے۔ جامعہ کراچی، کراچی میں واقع ہے تو ایک اصولی بات ہے کہ اس پر پہلا حق یہاں کے طلباء کا ہونا چاہئے۔ جس طرح ملک کے دوسرے شہروں میں پہلے وہاں کے مقامی طلبہ کو ترجیح ملنی چاہئے۔ لیکن یہاں تو مختلف ناموں سے کوٹے موجود تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جامعہ کراچی میں یہ فرق کیوں ہے۔ ہاسٹلوں کی صورت حال یہ تھی کہ ان پر مکمل طور سے قوم پرستوں کا قبضہ تھا۔

کراچی کے لڑکوں کو اکا دکا کمرے مل جاتے تھے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ انہیں مذکورہ بالا تین مؤثر تنظیموں میں سے کسی کی سرپرستی حاصل ہو۔ ہم نے کہا کہ کراچی کی بہت سی مضافاتی بستیاں ایسی ہیں جہاں بہت چھوٹے چھوٹے یا محض ایک کمرہ کے مکان ہیں اور ان طلبہ کو پڑھنے کے لئے ماحول میسر نہیں ہے اس لئے انہیں ہاسٹل میں جگہ ملنی چاہئے لیکن جواب یہ ملتا تھا کہ ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود میری کوشش یہ رہی کہ یہ قومیت اور علاقائیت کی بات ختم ہو اور سب پاکستانی بن کر سوچیں۔

پانچویں قومیت کا تصور

نیشنل سروس کیڈٹ اسکیم کے تحت تربیت کے دوران جو صورت حال رہی وہ میں بیان کر ہی چکا ہوں۔ ایک واقعہ کا ذکر میں اور کرنا چاہوں گا۔ یہ غالباً ۱۹۶۴ء کی بات ہے۔ ایوب خان نے صدارتی انتخاب میں بابائے قوم کی ہمشیرہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو "شکست" دی تو ان کے صاحب زادے گوہر ایوب نے کراچی میں فتح کا جشن منایا۔ اس موقع پر یہاں کے نہتے شہریوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ہماری قومی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے میں اپنے چچا کے گھر سے اپنی والدہ کو لے کر اپنے گھر جہانگیر روڈ جا رہا تھا جب ہمارا رکشا لسبیلہ اور تین ہٹی کے درمیان فلستان سینما کے قریب پہنچا تو ہم نے دیکھا کہ وہاں ٹریفک کا ہوا ہے اور بھگدڑ سی مچی ہوئی ہے۔ رکشا والے نے گھبرا کر ہم سے کہا کہ جھگڑا ہو گیا ہے پٹھانوں نے حملہ کر دیا ہے تم لوگ جلدی اتر جاؤ۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ بہر حال میں جلدی سے اپنی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر سامنے بنے ہوئے سرکاری کوارٹروں میں داخل ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں بندوقیں، ڈنڈے اور سریئے ہیں۔ ہم نے گھبرا کر کئی کوارٹروں کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن ڈر کی وجہ سے کوئی اپنا دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔ آخر ایک جگہ ہمیں پناہ مل گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہنگامہ کیوں ہو رہا ہے۔ میں لوگوں سے سوال کرتا تھا وہ بس ایک ہی جواب دیتے تھے کہ پٹھانوں نے مہاجروں پر حملہ کر دیا ہے۔ میں یہ پوچھتا تھا کہ

بھئی یہ لوگ مہاجر بستیوں پر کیوں حملہ آور ہوئے ہیں۔ مہاجروں کا قصور کیا ہے۔ پتہ چلا کہ مہاجروں کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا تھا اس لئے اب انہیں یہ سزا مل رہی ہے۔ حالانکہ یہ ہر شہری کا حق ہے کہ وہ جسے چاہے ووٹ دے۔ ان واقعات نے بھی میرے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ پھر آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی بات سامنے آتی تھی کہ فلاں سندھی ہے' فلاں بلوچ ہے' فلاں پنجابی ہے' فلاں پٹھان ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا تھا کہ وہ پاکستانی ہے یا ہم پاکستانی ہیں۔

اسی دوران ایسی باتیں سننے میں آتی رہیں کہ کسی دوست کے عزیز کو' کسی کے والد کو' کسی کے چچا کو جبری طور پر ریٹائر کر دیا گیا ہے۔ یا پھر یہ سنتے تھے کہ کسی کو نوکری نہیں مل رہی ہے' اس کی کوئی سفارش نہیں ہے' وہ فرزند زمین (Son of the Soil) نہیں ہے حالانکہ میں اس وقت طالب علم تھا لیکن مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا تھا کہ ہم سب پاکستان کے شہری ہیں آخر یہ فرزند زمین ہونے یا نہ ہونے کا چکر کیا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ پاکستان بننے سے قبل جو لوگ یہاں رہتے تھے انہیں فرزند زمین قرار دیا گیا اور جو لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے یہاں آئے وہ اس زمرہ سے خارج ہو گئے۔ حالانکہ ہم اور ہمارے ہم عمر لوگ یہیں کراچی میں پیدا ہوئے ہم سب نے کراچی میں آنکھ کھولی' پرائمری سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کراچی میں حاصل کی لیکن اس کے باوجود بھی ہمیں فرزند زمین تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہ باتیں لازمی طور پر ذہن میں بے شمار سوالات کو جنم دیتی تھیں۔ جب ہم ان نئے نئے سوالات کا جواب تلاش کرتے تھے تو ہمیں کہیں بھی ان کا جواب نہیں ملتا تھا کیونکہ بنیادی طور پر مہاجر پاکستان اور اسلام کے بارے میں بے حد جذباتی تھے اور جب بھی پاکستان اور اسلام کا نعرہ لگتا تھا تو وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے اور اپنی توانائیاں صرف کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے ساتھ ناانصافیاں ہو رہی ہیں انہیں فرزند زمین نہ ہونے کا طعنہ سننے کو مل رہا ہے اور اس طرح کے ناموں سے پکارا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ پاکستان کی سالمیت اور قومی یکجہتی کے لئے ہر قربانی دینے اور ہر زیادتی سہنے کو تیار تھے۔ ایوب خان کے زمانے میں مہاجر سی۔ ایس۔ پی افسران اور سرکاری ملازموں کو نکالا گیا۔ پھر یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں بھی یہی ہوا پھر بھی مہاجروں کی سوچ مثبت رہی اور وہ قومی یکجہتی پر غیر متزلزل یقین رکھے رہے اس کا سبب محض یہ تھا کہ مہاجروں نے اس ملک کے لئے اپنا خون دیا تھا' اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اپنے آباؤ اجداد کی قبریں چھوڑ دی تھیں اپنے بچپن کی یادگار گلیاں چھوڑ دی تھیں۔ بزرگان دین کے مزارات کو چھوڑنا قبول کیا تھا۔ پاکستان بنانے کے لئے ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں کے ۲۰ لاکھ مسلمان ذبح ہوئے تھے' انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا' لاکھوں گھر برباد ہوئے تھے۔ تب جا کر پاکستان وجود میں آیا تھا لیکن

افسوس کی بات یہ ہے کہ ان قربانیوں کا تذکرہ کسی "دن" پر سننے میں نہیں آتا۔ "دن" تو منائے جاتے ہیں لیکن اصل قربانیاں دینے والے جو لوگ ہیں ان کا تذکرہ نہ جانے کیوں نہیں کیا جاتا۔

ایوب خان اور یحییٰ خان کی حکومتوں کے بعد بھٹو صاحب کے دور میں بھی مہاجروں کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ جاری رہا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جو آتا ہے وہ مہاجروں پر ہی اپنا غصہ کیوں اتارتا ہے حالانکہ صرف اور صرف یہی وہ گروہ تھا جو صرف اور صرف پاکستانی سوچ رکھتا تھا جب کہ میں نے عملی طور پر اس کے متعدد مظاہرے دیکھے کہ قومی جماعتوں کے بعض دوسرے رہنما بھی پہلے اپنی قومیت کا تشخص برقرار رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بھٹو صاحب کے دور میں لسانی فسادات کرائے گئے اور ان کا شکار بھی مہاجر ہوئے' اپنے ہی شہر میں انہیں گولیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ بہرحال مہاجر بھی ان تمام باتوں کو ایک عرصہ سے دیکھ رہے تھے شاید یہی سبب تھا کہ انھوں نے بھٹو صاحب کے دور میں ہونے والے عام انتخابات میں پی۔ این۔ اے کا ساتھ دیا۔

تحریک نظام مصطفیٰ اور میرا رول

۱۹۷۷ء میں جب پیپلز پارٹی کی حکومت نے انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو مخالف جماعتوں نے قومی اتحاد تشکیل دیا تاکہ وہ متحد ہو کر پیپلز پارٹی کا مقابلہ کر سکیں۔ اس موقع پر مہاجروں نے پاکستان قومی اتحاد کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا کیونکہ انکے ذہنوں پر لسانی فسادات کے اثرات بھی تھے' ملازمتوں کے سلسلے میں ان کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی تھیں ان کے اثرات تھے' درسگاہوں میں مہاجر طلبا کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہوتی تھی اس کے اثرات تھے۔ ان تمام باتوں نے مہاجروں کو قومی اتحاد کی طرف مائل کیا۔

۱۹۷۷ء میں جب انتخابات کے نتائج کو قبول نہیں کیا گیا اور کہا گیا کہ دھاندلی ہوئی ہے۔ تو پھر نظام مصطفیٰ کی تحریک شروع کی گئی اس تحریک میں مہاجروں نے جو قربانیاں پیش کیں وہ محض بھٹو دشمنی پر مبنی نہیں تھیں' ان کا سبب صرف پیپلز پارٹی سے دشمنی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے وہ نعرہ تھا جس نعرہ کے لئے اور جس آرزو کی تکمیل کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ ہم نہ بلوچ ہیں' نہ سندھی ہیں' نہ پنجابی ہیں' نہ پٹھان ہیں بلکہ صرف پاکستانی اور مسلمان ہیں اور جب اس ملک میں نظامِ مصطفیٰ نافذ ہو گا تو عصبیت ختم ہو جائے گی' ناانصافیاں اور زیادتیاں ختم ہو جائیں گی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ قومی اتحاد کے رہنما مہاجر بستیوں میں برملا دل یہ بات کرتے تھے کہ مہاجروں کے ساتھ ناانصافیاں ہوئی ہیں' پیپلز

پارٹی نے مہاجروں کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ' زیادتیاں کی ہیں' وہ کہتے تھے کہ جب قومی اتحاد برسراقتدار آئے گا تو ہم مہاجروں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو ختم کر دیں گے' کوٹہ سسٹم کا خاتمہ کر دیں گے' وغیرہ وغیرہ..... ! میں ان تمام باتوں کو سچ سمجھتا تھا کیونکہ اس وقت میں اتنی گہرائی سے اس سیاست کو نہیں جانتا تھا کہ اس کے پس پردہ کیا مقاصد کار فرما ہیں اور اس کا اصل مقصد کیا ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ یہ نظام مصطفیٰ کی تحریک ہے اور واقعتاً یہ اچھا ہو گا کہ اس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو جائے گا۔ اس وقت تک ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ درحقیقت یہ صرف ایک نعرہ کے طور پر کہا جارہا ہے اور شاید یہ پہلا موقع تھا جب ملک کی تمام پارٹیوں نے مشترکہ طور پر بشمول ولی خان صاحب کے قومی اتحاد میں شمولیت اختیار کی تھی اور جی۔ ایم۔ سید صاحب نے بھی قومی اتحاد کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ سب لوگ تبدیلی چاہتے تھے اور میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ کون اس نعرہ کے ساتھ کس حد تک مخلص تھا لیکن جہاں تک مہاجروں کا تعلق ہے انہوں نے صرف اور صرف اسلام اور پاکستان کے نام پر قومی اتحاد کا ساتھ دیا تھا۔ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران سندھ کے مہاجر عوام نے جس طرح قربانیاں دیں اس طرح پورے ملک میں کہیں بھی قربانیاں نہیں دی گئیں۔

میں چونکہ خود قومی اتحاد کی تحریک میں شامل تھا اور ایک ادنیٰ ورکر کی حیثیت سے 'ایک کارکن کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کرتا تھا اس لئے جہاں کہیں جلسہ ہوتا تھا وہاں جاتا تھا' چونکہ میں عصبیتوں کو خود بھگت چکا تھا انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس لئے میں اس صورت حال میں تبدیلی چاہتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ صرف پاکستان کی بات ہو' مسلمان کی بات ہو۔ میں قومی اتحاد کے لیڈروں کے انہی نعروں سے متاثر ہو کر 'کہ ہم پورے نظام کو تبدیل کر دیں گے ' ناانصافیوں اور مظالم کا خاتمہ کر دیں گے' قومی اتحاد کے لئے کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا تھا کہ "امی! قومی اتحاد کے لیڈر پاکستان اور اسلام کی بات کر رہے ہیں' اس لئے آپ مجھے قومی اتحاد کے لئے کام کرنے کی اجازت دیں اور اگر اس تحریک میں میری جان بھی چلی جائے تو آپ کوئی فکر نہ کرنا۔"

قومی اتحاد سے میری وابستگی

میں نے قومی اتحاد کے نعرہ سے متاثر ہو کر اس کے لئے کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے قومی اتحاد کو اس لئے بہتر سمجھا کہ اس میں پٹھان' پنجابی' بلوچ' پختون' مہاجر سب شامل تھے۔ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران مختلف علاقوں میں اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ تو میرے کام کو دیکھتے ہوئے مجھے فیڈرل "بی" ایریا کی ایکشن کمیٹی کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ فیڈرل "بی" ایریا میں یہ اسٹوڈنٹس

کمیٹی بہت فعال ہو گئی۔ ہم مسجدوں میں جلسے بھی کرتے تھے' مظاہرے بھی کرتے تھے۔ ایک روز اچانک معلوم ہوا کہ علاقہ کی ایک مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد جلسہ ہے' اس جلسہ میں یہ بات اٹھائی گئی کہ اب چونکہ ایکشن کمیٹی میں بہت سے لوگ شامل ہو چکے ہیں اس لئے اب اس کے عہدیداروں کا الیکشن ہونا چاہئے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوئی کہ آخر یہ مسئلہ کیوں اٹھایا گیا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ نکتہ جماعت اسلامی کی طرف سے اٹھایا گیا۔ میں جماعت کا رکن تو تھا نہیں اور نہ ہی مجھے پہلے سے اس صورت حال کا کوئی علم تھا۔ ورنہ میں بھی خود کو اس الیکشن کے لئے تیار کرتا۔ یہ جلسہ ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت ہوا تھا اور وہاں اس وقت زیادہ تر جماعت کے لوگ تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے مخالف کو جس کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے تھا' ۳۱ ووٹ ملے اور مجھے ۲۷ ووٹ ملے۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو میں بھی بہت سے لوگوں کو وہاں لے آتا اور میرے ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ہمیں اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔

جب علاقہ میں یہ اطلاع پہنچی تو لوگوں کو بہت افسوس ہوا۔ اس لئے کہ میں قومی اتحاد کے لئے بے انتہا جدوجہد کر رہا تھا۔ آخر کار انہوں نے مجھے اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی کا جنرل سیکرٹری بنا دیا۔ جب کہ پہلے میں اس کا چیئرمین تھا۔ بہر حال اس واقعہ سے میرے خلوص اور میری سرگرمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی کیونکہ میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ اگر آپ کے پاس عہدہ ہو تب ہی آپ کام کر سکتے ہیں' اگر آپ سچائی اور خلوص کے ساتھ کام کرنا چاہیں تو کسی عہدہ پر رہے بغیر بھی کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی نہیں بنی تھی۔ اس وقت تک میں ایک عام کارکن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ بہر حال مجھے ایک منصوبہ کے تحت اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی کی چیئرمین شپ سے ہٹا دیا گیا۔ اس سے میرے کام میں تو ذرہ برابر فرق نہیں پڑا لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہوا کہ نظام اسلام کے داعی اور علمبردار اپنے عمل میں نہ جانے کیوں ایسے ہیں اس دور میں جو جلسے ہوتے تھے ان میں حاضرین کا شدید اصرار ہوتا تھا کہ تقریر کے لئے الطاف حسین کو بلایا جائے۔ حالانکہ مجھے کوئی تقریریں لکھ کر نہیں دیتا تھا لیکن بس میرا جذبہ تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو میری تقریریں پسند آتی تھیں۔ تقریر کے بعد لوگ میرے پاس آتے تھے۔ مجھے گلے لگاتے تھے اور مجھ سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ ایک بار فیڈرل "بی" ایریا کے بلاک ۱۰ یا ۱۲ میں قومی اتحاد کا جلسہ ہو رہا تھا۔ میں تقریر کر کے اسٹیج سے نیچے اترا تو ایک بچہ اپنی آٹو گراف بک اور قلم لے کر میرے پاس آیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب مجھ سے کسی نے آٹو گراف کی فرمائش کی تھی۔ میرا ذہن بالکل خالی ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا لکھوں اس لئے کہ میں تو خود کو صرف ایک ادنیٰ کارکن سمجھتا تھا۔ میں اپنی سوچوں سے اس وقت واپس آیا۔ جب اس بچے نے دوبارہ مجھ سے کہا کہ الطاف بھائی کیا آپ آٹو گراف نہیں دیں گے۔ آخر میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس بچے کی آٹو گراف بک

پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس دوران میں نے یہ بات نوٹ کی کہ جلسوں میں اپنی تقریر کے دوران میں جو باتیں کہتا ہوں۔ میرے بعد قومی اتحاد کا جو بھی مقرر آتا ہے وہ اسی اسٹیج پر اپنی تقریر میں میری باتوں کی نفی کرتا ہے۔ مجھے اس پر بہت افسوس ہوتا کہ ہم لوگ ایک مشترکہ جدوجہد کر رہے ہیں اور اگر ہم اپنی تقریروں میں ایک دوسرے کی نفی کریں گے تو اس سے عوام پر غلط اثرات مرتب ہوں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم آپس میں ہی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک بار جب یہی صورت حال پیش آئی تو میں نے نیشنل عوامی پارٹی کے علاقہ کے ناظم سے اس بات کی شکایت کی اور کہا میں آئندہ اسٹیج پر تقریر نہیں کروں گا۔ کیونکہ ایسی باتوں سے عوام بدظن ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ باہر کے جو کام ہوں گے' پوسٹر لگانے ہوں' چاکنگ کرنا ہو' پمفلٹ تقسیم کرنے ہوں' بھاگ دوڑ کرنا ہو۔ میں ان تمام کاموں کے لئے تیار ہوں۔ لیکن آپ مجھے آئندہ تقریر کرنے کے لئے نہ کہیں کیونکہ یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ ہم عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائیں۔ وہ صاحب مجھے مسجد میں لے گئے اور انہوں نے مجھے سمجھایا کہ ہم انہیں سمجھائیں گے۔ انہیں ڈانٹیں گے۔ لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اب تقریر نہیں کروں گا۔ لیکن ان دنوں شہر میں ایک دن میں قومی اتحاد کے کئی کئی جلسے ہو رہے تھے۔ جن میں مرکزی قائدین شرکت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ وقت پر جلسوں میں نہیں پہنچ پاتے تھے۔ ہمارے علاقہ کے لیڈروں نے جب یہ دیکھا کہ مجمع جمع کرنے اور اسے مصروف رکھنے کے لئے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جس کی باتیں عوام دلچسپی سے سنیں تو ایک روز وہ بھاگے ہوئے میرے گھر آئے اور مجھ سے کہا کہ الطاف آپ ساری باتوں کو چھوڑیں اور فوراً جلسہ میں چلیں۔ چنانچہ میں قومی اتحاد کی خاطر ایک بار پھر جلسوں میں تقریریں کرنے لگا۔ میں ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے تک تقریر کرتا رہتا تھا۔ جب تک قومی اتحاد کے مرکزی قائدین جلسہ گاہ میں نہیں پہنچ جاتے تھے۔

قومی اتحاد کی تحریک کے دوران میں نے ایک بات شدت سے نوٹ کی کہ اس کی قیادت میں تو چاروں صوبوں کے لیڈر شامل ہیں لیکن عوامی سطح پر یہ تحریک زیادہ تر کراچی' حیدر آباد اور سندھ کے چند دوسرے شہروں میں چل رہی ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر بہت سوچا' لیکن مجھے اس کا جواب نہیں ملا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ راولپنڈی میں ایک لانگ مارچ ہوا تھا۔ اس میں شرکت کے لئے کراچی اور حیدر آباد سے لوگ راولپنڈی گئے تھے۔ لاہور میں اسمبلی کے باہر جو مظاہرہ ہوا تھا اس میں بھی کراچی اور حیدر آباد کے لوگ بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بہت سے اخبارات و جرائد بھی کراچی اور حیدر آباد کے عوام کی جدوجہد اور قربانیوں کو غیر نمایاں کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ بات بھی مجھے بری طرح کھٹکتی تھی۔ تحریک کے دوران کراچی میں جس فراخدلی کے ساتھ فائرنگ کی گئی اور گولیاں برسائی گئیں۔ اس کی مثال پورے

ملک میں کہیں اور نہیں ملتی۔ لیاقت آباد میں برسٹ فائرنگ کی گئی۔ اسی طرح حیدر آباد' میرپور خاص اور سندھ کے ان شہروں میں ہوا جہاں مہاجر اکثریت میں آباد ہیں۔ لاہور میں ایک بار گولی چلی' فوراً حکومت تبدیل ہو گئی۔ انقلاب آ گیا۔ اسی حکومت نے سندھ میں باقی گولیاں چلائی تھیں۔ بلوچستان میں بمباری کی تھی۔ سرحد میں بھی بہت کچھ کیا تھا۔ لیکن تب کچھ نہیں ہوا۔ یہ حقائق سب کے سامنے ہیں۔ بہرحال جیسے ہی مارشل لاء لگا تو اکثر سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے مارشل لاء کو خوش آمدید کہا۔

مہاجر موومنٹ کا محرک

اس تحریک کے بعد میری سوچ بہت تیزی سے تبدیل ہونے لگی کہ مہاجروں کو تیسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا ہے' ان کے جان و مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تعلیمی ادارے ہوں' سرکاری' نیم سرکاری ادارے ہوں' ملازمتوں کا مسئلہ ہو' داخلوں کا مسئلہ ہو یا قومی اتحاد کی تحریک ہو۔ اس میں مہاجروں سے قربانیاں تو لی جاتی ہیں مگر انہیں دینے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں ہے کوئی انہیں کچھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مہاجر اسی طرح مرتے رہیں گے۔ اسی طرح کٹتے رہیں گے' اسی طرح لٹتے رہیں گے اور اسی طرح استعمال ہوتے رہیں گے مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک ان کی اپنی کوئی تنظیم نہیں ہوگی۔ ان کے لئے آواز اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے طلبہ کی سطح پر مہاجروں کو ایک جگہ جمع کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ عوامی سطح پر بھی مہاجروں کی کوئی ایسی جماعت موجود ہو جو مہاجروں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کر سکے اور ان کا ازالہ کر سکے لیکن افسوس کہ مجھے ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی تھی کبھی کبھار مختلف سیکٹرز سے مہاجروں کی کوئی آواز اٹھائی گئی تو وہ چار دن بعد' چھ دن بعد خاموش ہو گئی یا کر دی گئی۔ جب میں نے اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ آواز زیادہ تر بنگلوں سے اٹھتی تھی اس لئے وہ بھی ڈرائنگ روم پالیٹکس تک محدود رہتی تھی چنانچہ میں نے ۱۹۷۷ء کی تحریک کے دوران ہی اس پر کام شروع کیا کہ مہاجروں کی کوئی تنظیم ہونا چاہئے۔

جب مارشل لاء کے نفاذ کے فوراً بعد سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تو سیاسی جماعتوں کے خیر مقدم کرنے پر تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا لیکن مذہبی جماعتوں کے اس رویہ پر انتہائی حیرت ہوئی اس لئے کہ عوام نے جو بھی گراں قدر قربانیاں دی تھیں وہ اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ کے قیام کے لئے تھیں۔ انہوں نے تحریک کے دوران صرف اس مقصد کے لئے قربانیاں دی تھیں کہ پاکستان قومی اتحاد برسر اقتدار آئے اور اس کے بعد پاکستان میں نظام مصطفیٰ نافذ کرے۔ عوام نے یہ

قربانیاں اس لئے نہیں دی تھیں کہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہو جائے لیکن اس صورت حال کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ تحریک اسلامی نظام کے قیام کے لئے نہیں بلکہ محض بھٹو دشمنی میں اور خالصتاً پیپلز پارٹی کی دشمنی میں چلائی گئی تھی اور عوام کو آلہ کار بنانے کے لئے اور انہیں بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کرنے کے لئے اسلامی نظام کا نعرہ لگایا گیا تھا۔

آج جو لوگ ایم۔ کیو۔ ایم پر تشدد کی سیاست کرنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ذرا ماضی میں جھانک کر دیکھیں، قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ملک بھر میں اربوں کھربوں روپے کا اور سینکڑوں جانوں کا جو نقصان کرایا گیا اس کے بارے میں امن کے دعویدار اور ہمارے سیاسی اور مذہبی راہنما کیا فرمانا پسند کریں گے، وہ جواب دیں کہ جس نعرہ کے لئے جس تحریک کے لئے انہوں نے پورے ملک اور قوم کو داؤ پر لگا دیا تھا اس کا ذمہ دار کون ہے اور اس تحریک سے کیا فلاحی مقاصد حاصل ہوئے۔ کیا اسلامی نظام نافذ ہو گیا۔ کیا نظام مصطفیٰ نافذ ہو گیا۔ آج عوام یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے اگر وہ یہ کہیں کہ اس تحریک کا مقصد صرف اور صرف ذوالفقار علی بھٹو کو کرسی سے ہٹانا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ نہ صرف ان جماعتوں نے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا بلکہ بعد میں کئی سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے مارشل لاء کی سرپرستی میں وزارتیں بھی قبول کیں جب کہ ان میں سے کچھ لیڈر پہلے مہاجر بستیوں میں نعرے لگاتے تھے کہ کوٹہ سسٹم غلط ہے، کوٹہ سسٹم ختم کیا جائے لیکن جب انہوں نے وزارت سنبھالی تو نہ صرف یہ کہ سسٹم کے خاتمہ کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کی بلکہ کوٹہ سسٹم کو ضروری قرار دے دیا۔

سندھ میں لسانی فسادات کا ذمہ دار کون

سندھ میں لسانی فسادات بھی ایک سازش کے تحت کرائے گئے تھے تاکہ سندھ میں رہنے والے سندھی اور مہاجر لڑتے رہیں اور استحصالی طبقہ حکومت کرتا رہے۔ اسی استحصالی طبقہ نے پہلے بختون مہاجر فساد کرایا پھر سندھی مہاجر فساد کرایا اور سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان ہمیشہ کے لئے نفرت کا بیج بونے کی کوشش کی تاکہ سندھی اور مہاجر جو ایک ہی سرزمین کے رہنے والے ہیں، ایک ہی دھرتی پر اگنے والا اناج کھاتے ہیں، ایک ہی دھرتی پر بہنے والا پانی پیتے ہیں، مرنے کے بعد ایک ہی دھرتی میں دفن ہوتے ہیں محنت کر کے جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ ایک ہی دھرتی پر خرچ کرتے ہیں اور یہاں سے کمائی جانے والی رقم کہیں اور منتقل نہیں کرتے، آپس میں لڑتے رہیں چنانچہ یہ بھی ایک سازش تھی۔

لسانی فسادات کے بعد سندھ میں بسنے والے سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان بہت دوریاں پیدا ہو گئی تھیں اختلافات کی ایک خلیج حائل ہو گئی تھی جس سے ناقابل تلافی نقصانات پہنچے لیکن چونکہ

سندھیوں میں سندھی نیشنلزم موجود تھا اس لئے سندھی افسران اور اعلیٰ حکام کسی نہ کسی حد تک سندھیوں کو ملازمتوں اور دیگر معاملات میں مواقع فراہم کر دیتے تھے اور ان کی فلاح و بہبود کا کچھ نہ کچھ خیال رکھتے تھے لیکن چونکہ مہاجروں میں قومیت کا پہلو کوئی مؤثر حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اکثر مہاجروں میں تو قومیت کا کوئی تصور تھا ہی نہیں اس لئے جو چند مہاجر بیوروکریٹس تھے بھی وہ مہاجروں کے کسی کام نہیں آتے تھے۔

اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے قیام کا پس منظر

جب میں نے جامعہ کراچی میں پہلا قدم رکھا تو وہاں قومیت' صوبائیت اور علاقائیت کی بنیاد پر قائم ہونے والی طلبہ تنظیموں کے رنگ برنگے بینر نظر آئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ یہ تنظیمیں اپنی پریشر پالیٹکس کی بنیاد پر تین بڑی تنظیموں جمعیت' پروگریسو اور لبرل میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے نہ صرف الیکشن میں اپنے امیدوار لے کر آتی ہیں بلکہ انہیں داخلے دلواتی ہیں اور انہیں ہاسٹلوں میں کمرے فراہم کراتی ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ میں بات چیت کر کے ان لوگوں کو سمجھاؤں اور علاقائیت یا قومیت کی سوچ کو ختم کروں جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے بی فارمیسی میں جن طلبہ کے داخلوں کے لئے ۹ ماہ کی طویل تحریک چلائی ان میں ہر قومیت اور ہر صوبہ کے طلبہ شامل تھے لیکن فقار خانے میں طوطی کی آواز کا جو حشر ہوتا ہے۔ وہی حشر میری کوششوں کا ہوا بظاہر تو سب باتیں کرتے تھے۔ جمعیت والوں سے بات ہوتی تھی تو وہ کہتے تھے۔ "نہیں نہیں ہم سب مسلمان ہیں' سب بھائی ہیں" پروگریسو والوں سے بات کرو تو کہتے تھے "نہیں' نہیں سب انسان ہیں' سب برابر ہیں" لیکن عملی طور پر کہیں بھی اس کا مظاہرہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ان حالات سے مجبور ہو کر اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ہونے والے تجربات اور دوسرے عوامل کی روشنی میں' میں نے مہاجروں کی تنظیم کے قیام کے لئے رابطہ مہم شروع کی جو ڈیڑھ دو سال جاری رہی اس مہم کے دوران ہم جامعہ کراچی میں آرٹس فیکلٹی' شعبہ فارمیسی یا سائنس فیکلٹی میں اپنی میٹنگز نہیں کرتے تھے کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ ہماری اس بات کو پسند نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دور جا کر اور چھپ کر آئی۔ بی۔ اے (انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن) میں اپنی میٹنگز کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ہمارے ہم خیال ساتھیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ جب ہمارے ساتھیوں کی تعداد کوئی ڈیڑھ سو کے قریب ہو گئی تو ہم نے ۱۱ جون ۱۹۷۸ء کو آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے نام سے اپنی تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک اجلاس میں باقاعدہ الیکشن کے ذریعہ مجھے تنظیم کا چیئرمین منتخب کیا گیا جب کہ عظیم احمد طارق کو جو آج ایم۔ کیو۔ ایم کے چیئرمین ہیں' جنرل



اپریل 1980ء میں قید کی رہائی کے بعد آفاق شاہد اور عظیم احمد طارق کے ہمراہ

سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس وقت وہ بھی بی فارمیسی کے طالب علم تھے۔

تنظیم تو ہم نے قائم کر لی لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ اس کا لٹریچر کس طرح چھپوایا جائے ہمارے اکثر ساتھی متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے بیشتر ساتھی ٹیوشن پڑھا کر اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرتے تھے میں بھی ٹیوشن پڑھاتا تھا عظیم احمد طارق بھی ٹیوشن پڑھاتے تھے ہم نے طے کیا کہ ہر ساتھی تنظیم کے لئے پچاس یا کم از کم پچیس روپے چندہ دے اس چندہ سے ہم نے تحریک کا لٹریچر چھپوایا۔

اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او کے قیام کا ردعمل

جب "اے پی ایم سو" کا پہلا پمفلٹ جامعہ میں تقسیم ہوا تو پوری یونیورسٹی میں ایک ہلچل مچ گئی۔ قومیت اور علاقائیت کی بنیاد پر برسوں سے اتنی ساری تنظیمیں موجود تھیں تو کبھی کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوا لیکن جب آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن قائم ہوئی تو طلبہ تنظیموں کے ایوانوں میں جیسے زلزلہ آ گیا اور ہر جگہ بحث و مباحثہ شروع ہو گیا اے پی ایم سو کے خلاف فتوے صادر ہونے لگے اسلامی جمعیت طلبہ نے تو اے پی ایم سو کے خلاف فوری طور پر بڑی شدومد کے ساتھ محاذ کھول دیا کیونکہ جامعہ کراچی کے دس طلبہ میں سے 70 سے 80 فیصد اکثریت مہاجر طلبہ پر مشتمل تھی اور جمعیت کو ڈر تھا کہ اگر اے پی ایم سو کامیاب ہو گئی تو وہ سب اس میں شامل ہو جائیں گے اور پھر اس کے لئے قربانی کون دے گا؟ چنانچہ جمعیت نے روز اوّل ہی سے ہمارے خلاف تحریری تقریری غرض کہ ہر سطح پر باقاعدہ مہم شروع کر دی لیکن ہم نے تمام تر مخالفتوں کے باوجود اپنی تحریک جاری رکھی۔

اپنی تحریک کو جاری رکھنے کے لئے کتنی دشواریاں، کتنی پریشانیاں اور کیا کیا دکھ ہمیں جھیلنا پڑے ان کی تفصیل یقیناً بڑی طویل اور اذیت ناک ہے بس یہ میں اور میرے ساتھی ہی جانتے ہیں کہ ہم نے اس تنظیم کو کس طرح چلایا طلبہ کی دوسری تنظیموں کو کسی نہ کسی سیاسی جماعت کی سرپرستی حاصل تھی لیکن ہماری تنظیم طلبہ کی وہ واحد تنظیم تھی جسے کسی سیاسی جماعت کی سرپرستی یا تائید حاصل نہیں تھی ہمیں کہیں سے کوئی مدد نہ ملتی تھی ہمارا روز کا معمول تھا کہ ہم چندہ جمع کریں اور اپنی تحریک کو آگے بڑھائیں۔

اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کا دائرہ کار

جامعہ کراچی کے بعد ہم نے این۔ ای۔ ڈی یونیورسٹی، اردو سائنس کالج، داؤد انجینئرنگ کالج، نیشنل کالج، جناح کالج اور شپ اونر کالج میں اپنے یونٹ قائم کئے۔ جیسے جیسے ہمارے یونٹوں کی تعداد

میں اضافہ ہوا ویسے ویسے ہمارے اخراجات بھی بڑھتے گئے اس لئے کہ اب ہمیں مزید لٹریچر کی ضرورت پڑتی تھی۔ ہمارا ہر ممبر کم از کم ۲۵ روپے ماہانہ چندہ دیتا تھا لیکن اس کے باوجود ہمارے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے۔ جامعہ کراچی میں دوسری تنظیمیں بے دریغ پیسہ خرچ کرتی تھیں۔ جب داخلے ہوتے تھے تو ہر تنظیم اپنے اسٹالوں پر' پوسٹروں پر' پمفلٹوں پر اور بینروں پر بھاری رقم خرچ کرتی تھی ۔ ظاہر ہے کہ ہم اپنے ذاتی چندوں سے یہ اخراجات تو پورے کر نہیں سکتے تھے چنانچہ ہم نے عوامی سطح پر چندہ جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ مختلف ٹیمیں تشکیل دی جائیں جو جامعہ سے چھٹی کے بعد کراچی کے مختلف بازاروں میں جائیں اور چندہ جمع کریں۔ پھر یہ ہمارا روز کا معمول ہو گیا۔ جامعہ کی چھٹی کے بعد جامعہ سے ٹیمیں نکلتی تھیں۔ کسی ٹیم کے ساتھ عظیم احمد طارق ہوتے تھے۔ کسی کے ساتھ میں خود ہوتا تھا۔

ہم مختلف دکانوں سے ایک ایک یا دو دو روپیہ تو چندہ جمع کرتے ہی تھے لیکن ہمیں کئی جگہ سے یہ الفاظ بھی سننا پڑے تھے۔ "معاف کرو!" گویا ہم ان سے بھیک مانگنے کے لئے گئے تھے۔ لیکن ہم "معاف کرو" کے الفاظ بھی خوشی سے سن کر ان کا شکریہ ادا کر کے اگلی دکان کا رخ کرتے تھے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے خود ذاتی طور پر ۲۵ پیسے' ۱۰ پیسے اور ۵ پیسے تک چندہ جمع کیا ہے۔ روزانہ جامعہ میں ہمارا اجلاس ہوتا تھا' پھر ہم چندہ جمع کرنے کے لئے باہر نکلتے تھے۔ اس کے بعد شام کو ہم ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ ٹیوشن کے بعد انفرادی طور پر اپنے ملنے والوں اور عزیز و اقارب کے پاس جا کر ان سے اے پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے لئے چندہ حاصل کرتے تھے۔ ہر ممبر اس مقصد کے لئے اپنے پاس رسیدیں رکھتا تھا۔ چندہ کے علاوہ ٹیوشن پڑھا کر مجھے جو رقم حاصل ہوتی وہ بھی تمام کی تمام تحریک کی نذر ہو جاتی تھی۔ ایک انتہائی اہم مسئلہ کنوینشن کا تھا۔ نہ میرے پاس کسی قسم کی کوئی سواری' نہ میرے کسی ساتھی کے پاس کوئی سواری' ہم بسوں میں سفر کرتے تھے لیکن جب کام میں اضافہ ہو گیا تو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنا کوئی کنوینس ہو۔ اسی دوران جامعہ کراچی میں داخلہ مہم شروع ہو گئی۔

اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے قیام کے بعد جامعہ میں جو پہلی داخلہ مہم شروع ہوئی اسے چلانے کے لئے ہمارے ساتھیوں کو انتہائی محنت کرنا پڑی۔ بہت بھاگ دوڑ کر کے ہم نے چندہ جمع کیا۔ پوسٹر چھپوائے' بینر تیار کرائے۔ داخلہ مہم کے سلسلے میں مختلف طلبہ تنظیمیں چھ سات پوائنٹس پر اپنے اسٹال قائم کرتی تھیں۔ اپنی بساط کے مطابق ہم سے بھی جو کچھ بن پڑا وہ ہم نے کیا اور ایک غریب تنظیم ہونے کے باوجود بھی اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او کسی دوسری تنظیم سے پیچھے نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہمارے مخالفین نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ انہیں بڑا پیسہ مل رہا ہے' فلاں جگہ سے ایڈ مل رہی ہے' فلاں شخص ان کی سرپرستی کر رہا ہے یہ سب باتیں ہم ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتے تھے۔ داخلہ مہم کے دوران ہر تنظیم کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ داخلے کے لئے آنے والے ہر نئے طالب علم کو متاثر کر کے اپنی جانب راغب کر لے۔ تمام تنظیموں کے پاس گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں موجود تھیں۔

میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ ہاسٹلوں میں کمرے انہی لوگوں کو ملتے تھے۔ جنھیں کسی مؤثر تنظیم کی حمایت حاصل ہوتی تھی۔ ہم میں سے کسی کے پاس کوئی کمرہ بھی نہیں تھا اس لئے داخلہ مہم کے سلسلے میں اپنے اسٹالوں کا سارا سامان ہمیں روزانہ صبح یونیورسٹی لے کر جانا پڑتا تھا اور شام کو ہم وہ سامان واپس لے کر آتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ سامان بسوں میں تو آنہیں سکتا تھا۔

ہاسٹل میں کمرہ کے حصول کے لئے درخواست

ہم نے ہاسٹل کے لئے درخواست دی لیکن وہ مسترد کر دی گئی۔ پھر ہم نے آئینی اور قانونی طور پر کمرہ کے لئے جنگ کی تو ہم کو ایک کمرہ دے دیا گیا۔ جس روز ہمیں کمرہ ملا اس کے دوسرے ہی دن ایک سٹوڈنٹس فیڈریشن کے لڑکے آئے اور انھوں نے ہمارا سارا سامان کمرہ سے باہر پھینک دیا۔ ہمیں بہت تعجب ہوا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے اور ہم کس طرح اپنا دفاع کریں' ہمارے پاس نہ ہتھیار تھے نہ اسلحہ۔ معلوم یہ ہوا کہ اس سٹوڈنٹس فیڈریشن کے لڑکے یونیورسٹی کی تین مؤثر طلبہ تنظیموں میں سے ایک تنظیم کے زیر اثر تھے اور اس تنظیم کے اشارہ پر ہی یہ کارروائی کی گئی تھی کیونکہ اس تنظیم نے یہ سوچا کہ اگر اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے لوگوں کو ہاسٹل میں جگہ مل گئی تو یہ جامعہ میں زیادہ مؤثر طور پر کام کر سکیں گے ان کو جتنی سہولتیں ملیں گی اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او اتنی ہی تیزی سے آگے بڑھے گی اور ان کی تنظیم متاثر ہوگی۔ ہم نے اس واقعہ کی رپوٹ کی' کچھ دن ہاسٹل بند رہا' بات چیت چلتی رہی لیکن ہم نے ہاسٹل چھوڑا نہیں۔ میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ کمرہ سے نہ صرف ہمارا سامان نکال کر باہر پھینکا گیا تھا بلکہ خود مجھے بھی گریبان سے پکڑ کر کمرہ سے باہر نکال دیا گیا تھا اس کے باوجود بھی ہم نے ہمت نہیں ہاری وہ کمرہ برقرار رکھا مار کھاتے رہے' پٹتے رہے' لیکن اپنے کام کو بہر حال جاری رکھا۔

جامعہ کراچی کی پہلی داخلہ مہم

ہر تنظیم کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو نئے آنے والے طلبہ کی نظر میں زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت کر سکے۔ دوسری تنظیموں کے جن طلبہ کے پاس اپنا کنوینس ہوتا تھا وہ صبح چھ بجے ہی یونیورسٹی پہنچ جاتے تھے جب کہ ہمارے کسی ساتھی کے پاس کنوینس نہیں تھا اس لئے میں اپنے ساتھیوں کو یہ ہدایت کرتا تھا کہ وہ صبح ہی صبح منی بس کے ذریعہ یونیورسٹی پہنچ جائیں اس لئے کہ یونیورسٹی کی بسیں تو دیر سے چلتی تھیں۔ ہمیں یونیورسٹی میں چھ سات جگہوں پر اپنے اسٹال لگانے پڑتے تھے۔ میں صبح ہی صبح پہلے تمام سامان مرکزی اسٹال پر لے کر آتا تھا پھر وہاں سے ہر اسٹال پر ضروری چیزیں پہنچاتا تھا' ظاہر

ہے کہ یہ سارا کام پیدل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں اپنے گھر سے ایک سائیکل لے گیا تھا اور صبح ہاسٹل کے کمرہ سے اسی سائیکل پر سارا سامان مرکزی اسٹال پر پہنچاتا پھر وہاں سے دوسرے اسٹالوں پر تقسیم کرتا۔

میرے پانچ چھ ساتھی صبح ہی پہنچ جاتے تھے انہیں میں مختلف اسٹالوں پر بھیج دیتا تھا۔ میں ہر روز صبح اسی سائیکل پر جامعہ کے سات اسٹالوں کو ضروری سامان پہنچاتا تھا اور شام کو واپس لے کر آتا تھا۔ ہم روزانہ اسٹالوں سے اپنی چادریں 'بیسز' لٹیریچر اور دوسرا سامان اٹھا لیتے تھے اور سب میزیں ایک جگہ جمع کر کے انہیں زنجیروں سے باندھ دیتے تھے کیونکہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو دوسرے روز وہ میزیں ہمیں وہاں نہ ملتیں۔ میں روزانہ لگتے سویرے اپنا کام شروع کرتا تھا کہ جب میں تقریباً تمام اسٹالوں پر سامان پہنچا چکا ہوتا تھا تب پوائنٹ کی پہلی بس یونیورسٹی پہنچتی تھی اور کافی طلبہ آجاتے تھے۔ سائیکل پر سامان لاتے لیجاتے دیکھ کر اکثر طلبہ ہمارا مذاق اڑاتے تھے کہ سامان لانے کے لئے ان کے پاس ایک اسکوٹر یا موٹر سائیکل تک نہیں ہے یہ سائیکل پر کیا تحریک چلائیں گے اور کس طرح مہاجر کاز کے لئے کام کریں گے۔

مشن میں کامیابی کی لگن

میں روزانہ کسی بھی احساس کمتری کے بغیر اپنا کام کرتا رہا۔ روزانہ ایک بجے سہ پہر تک اسٹال لگتے تھے اس کے بعد اکثر ساتھی چلے جاتے تھے۔ اس دور کے جامعہ سے تعلق رکھنے والے ایسے بہتی شاید آج بھی موجود ہیں جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں اپنے سر پر میزیں تک اٹھا اٹھا کر ایک جگہ جمع کرتا تھا۔ روزانہ تمام سامان چیک کرنے کے بعد بند کرتا تھا پھر سائیکل پر تمام اسٹالوں کا دورہ کرتا کہ کوئی سامان رہ تو نہیں گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں خبر لکھتا تھا اور خود اسے ہر اخبار کے دفتر میں پہنچاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں پمفلٹ بھی تیار کر کے طلبہ میں تقسیم کرنا ہوتے تھے۔ عام طور پر یہ پمفلٹ سائیکلو اسٹائل کرائے جاتے تھے لیکن کچھ تنظیمیں اپنے پمفلٹ بہت خوبصورت انداز میں چھپوا کر بھی لے آتی تھیں۔ ہمارے پاس تو اتنی رقم بھی مشکل سے ہوتی تھی کہ ہم اپنے پمفلٹ سائیکلو اسٹائل کروالیں۔ بہر حال ہم روزانہ اخبار کے دفاتر میں خبریں پہنچانے کے بعد برنس روڈ سے یہ پمفلٹ سائیکلو اسٹائل کراتے تھے اور پھر پیدل ایمپریس مارکیٹ تک آکر وہاں سے یونیورسٹی کی بس حاصل کر کے ہاسٹل پہنچتے تھے۔

ان حالات میں ہمیں کنوینس کی شدید ضرورت پیش آتی لیکن نہ تو تنظیم کے پاس اتنی رقم تھی اور نہ ہی میرے پاس 'کہ گاڑی تو کجا ہم کوئی نئی موٹر سائیکل بھی خرید سکتے۔ بہر حال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ پہلے میں دو ٹیوشن پڑھاتا تھا' میں نے فوری طور پر مزید دو ٹیوشن کا بندوبست کیا اور پیسہ جمع کرنا شروع کیا

اس طرح کچھ پیسے جمع کئے اور کچھ پیسے بڑے بھائی سے بطور قرض لئے اور کہا کہ میں آپ کو یہ رقم ماہانہ اقساط میں ادا کروں گا۔ محلہ ہی کے ایک صاحب اپنی ۱۹۶۹ء کے ماڈل کی ہنڈا ۵۰ موٹر سائیکل فروخت کر رہے تھے جو انہوں نے ۱۹۷۸ء میں مجھے دو ہزار نو سو روپے میں دی اور کہا کہ یہ بہت اچھی گاڑی ہے اور صرف ایک ہی آدمی کی چلائی ہوئی ہے۔ میں نے اعتماد کر کے ان سے وہ موٹر سائیکل لے لی لیکن ایک ہی ہفتہ بعد اس کا انجن جواب دے گیا پندرہ دن وہ موٹر سائیکل کھڑی رہی جب اگلے ماہ تنخواہ کی فیس ملی تو اس کا انجن بنوایا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا بعد میں پوری اے۔ پی۔ ایم ایس او اس ۵۰ سی سی کی موٹر سائیکل پر ہوتی تھی اور صرف میں ہی اسے استعمال نہیں کرتا تھا بلکہ تحریک کے جس ساتھی کو بھی ضرورت ہوتی تھی وہ اس کے استعمال میں رہتی تھی۔ میں نے پورے چھ سال اس موٹر سائیکل پر تحریک چلائی اور اس نے کبھی کسی آڑے وقت میں مجھے دھوکہ نہیں دیا۔ موسلا دھار بارشوں میں بھی نئی نئی موٹر سائیکلیں کھڑی ہو جاتی تھیں مگر میری موٹر سائیکل چلتی رہتی تھیں۔ میں اپنی اس فٹفٹی موٹر سائیکل کو کبھی نہیں بھول سکتا جس نے زندہ انسانوں سے زیادہ وفاداری کا ثبوت دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری بات سمجھتی تھی اور میرے دکھ اور پریشانی کو پہچانتی تھی۔ میں رات کو دو دو ڈھائی ڈھائی بجے اورنگی کے سنگلاخ راستوں پر اسے لے کر گیا ہوں اور اس پر تین تین آدمی بیٹھے ہوتے تھے۔ اس نے ہر آڑے وقت میں میرا ساتھ دیا، یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ لانڈھی 'ملیر' ڈرگ روڈ' نیو کراچی' کورنگی' اورنگی' غرض کون سی ایسی جگہ ہے جہاں تحریک کے سلسلے میں ہم تین تین آدمی راتوں کو نہ گئے ہوں اسی پر لٹریچر بھرا ہوتا تھا۔ کیا کوئی شخص اپنی کار کو اس طرح استعمال کرے گا جس طرح ہم نے اس موٹر سائیکل کو استعمال کیا۔

تحریک کیلئے فنڈ کی ضرورت

ہمارے پاس فنڈز اکٹھا کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا، ہم نے یہ کیا کہ زیادہ تعداد میں اپنے کارکنوں کی ٹیمیں تیار کیں جو روزانہ شہر کے مختلف علاقوں میں جاتی تھیں اور چندہ جمع کرتی تھیں۔ اس طرح ہم روزانہ چار سو' پانچ سو' چھ سو روپے تک چندہ جمع کرتے تھے لیکن اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہمیں روزانہ کوئی نہ کوئی پمفلٹ نکالنا پڑتا تھا۔

تقریباً روز کا یہ معمول تھا کہ ہم سہ پہر کو دو ڈھائی بجے بھوکے پیاسے یونیورسٹی سے چلتے تھے برنس روڈ آ کر پمفلٹ کا اسٹینسل کٹواتے تھے، اسے سائیکلو اسٹائل کراتے تھے، وہیں بیٹھ کر خبر بناتے تھے، اسے لیٹر پیڈ پر اتارتے تھے اور پھر تمام اخبارات کے دفاتر کا چکر لگاتے تھے۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ بھاگ دوڑ کا زیادہ سے زیادہ کام میں خود کروں تاکہ میرے ساتھی زیادہ کام سے گھبرا کر ساتھ نہ چھوڑ

چاہیں اور ہوا بھی یہی تھا کہ جب ہم نے تحریک شروع کی تھی تو ہمارے ساتھ ڈیڑھ سو ساتھی تھے لیکن بعد میں یہ گھٹ کر صرف ۳۰۔ ۳۵ رہ گئے تھے کیونکہ یہ کام تھا ہی بہت مشکل بعض کٹھن لمحات تو ایسے بھی آئے کہ میں، عظیم بھائی اور صرف دو چار ساتھی رہ گئے لیکن ہم نے کسی بھی مرحلہ پر ہمت نہ ہاری۔

تحریک کے دوران بعض ایسے لمحات بھی آئے جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ہمیں پمفلٹ بھی سائیکلو اسٹائل کرانے ہیں اور اخبارات میں دینے کے لئے خبروں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھی کرانا ہیں ۔ لیکن ہمارے پاس محدود اور لگے بندھے پیسے ہوتے تھے اس لئے ہم پہلے دکاندار سے معلوم کرتے تھے کہ دو ہزار یا چار ہزار پمفلٹ پر کتنا خرچ آئے گا پھر اس کے بعد ہم پمفلٹ کے میٹر کو کم کر کے بجائے پورے کاغذ کے نصف کاغذ پر لکھواتے تھے تاکہ دو ہزار کاغذ میں چار ہزار پمفلٹ نکل آئیں اور کم پیسے خرچ ہوں۔ پمفلٹ سائیکلو اسٹائل کرانے اور خبریں فوٹو اسٹیٹ کرانے کے بعد جب ہم حساب کرتے تھے تو ہمارے پاس بمشکل تین' چار یا ساڑھے چار روپے بچتے تھے اس وقت تک بھوک شدت پر پہنچ چکی ہوتی تھی کوئی نہ کوئی ساتھی بھی ساتھ ہوتا تھا' کبھی دو' کبھی تین۔ برنس روڈ پر جہاں سائیکلو اسٹائل کرنے والوں کی دکانیں ہیں ان کے آس پاس لذیذ کھانوں کے ہوٹل ہیں' کہیں سے کبابوں کی خوشبو آتی تھی' کہیں سے قورمہ کی تو کہیں سے نہاری کی۔ بھوک کی شدت ہو اور رنگ برنگے کھانوں کی خوشبو آرہی ہو تو کیا کیفیت ہوگی لیکن جب جیب پر نظر ڈالیں تو صرف ساڑھے چار روپے۔ جس میں سے ہمیں بس کا کرایہ بھی دینا ہوتا تھا۔ اس کے بعد ہمارے پاس ڈیڑھ یا پونے دو روپے بچتے تھے۔ اس میں دو آدمی کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے چنانچہ اپنی بھوک کو ختم کرنے کے لئے ہم دو سموسے خریدتے تھے اور ایک ایک سموسہ کھا کر اوپر سے دو تین گلاس پانی پی لیتے تھے۔

میرے اور میرے ساتھیوں کے کام کرنے کا انداز یہ تھا۔ جیسے ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھر کے لوگ کام کر رہے ہوں شروع ہی سے ان کی تربیت اس طرح ہوئی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ مشکلات اور انتہائی صبر آزما لمحات کے نتیجہ میں ہمارے ساتھیوں کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی لیکن جو بھی دس پندرہ طالب علم اور تین چار طالبات ہمارے ساتھ رہ گئی تھیں ان میں سے ہر ایک کا یہی جذبہ تھا کہ وہ سب سے زیادہ خدمات انجام دے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ایک بار عید کے فوراً بعد ہمارا اجلاس ہوا سب کو معلوم تھا کہ تنظیم کا سب سے اہم مسئلہ فنڈز کا نہ ہونا ہے چنانچہ اس اجلاس میں ہمارے اکثر ساتھیوں نے اپنی عیدی کی تمام رقم اور باقی ساتھیوں نے اس کی آدھی رقم تنظیم کے فنڈ میں دے دی۔

ہمارے کچھ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ کچھ مہاجر سرمایہ داروں کے پاس جایا جائے میں نے ساتھیوں سے کہا کہ بے کار ہے' کوئی مدد نہیں کرے گا لیکن ساتھیوں کا اصرار بڑھا کہ ہم کب تک بازاروں میں' گلیوں میں چندہ مانگتے رہیں گے۔ میں نے کہا کہ ہمیں اس وقت تک بازاروں اور گلیوں میں

چندہ مانگنا ہوگا جب تک کہ ہماری قوم کا ایک ایک فرد باشعور نہ ہو جائے اور مہاجر قومیت سے محبت نہ کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دل میں سوچا کہ میرے دوست کہیں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے میں نے ان سے کہا کہ ٹھیک ہے ہم ایک بار چلتے ہیں میں اس وقت نام نہیں لوں گا۔ لیکن میں ان تمام لوگوں کو چیلنج کرتا ہوں جو مہاجر ہیں اور کھاتے پیتے ہیں یا سرمایہ دار ہیں ان میں سے کوئی ایک فرد بھی یہ بتادے کہ اس نے اے۔ پی۔ ایم۔ او۔ ایس۔ او کی مالی مدد کی ہو۔

ہم نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا' ہم ہر بڑے آدمی کے دفتر گئے اور اس کے گھر بھی گئے لیکن سوائے مشوروں اور زبانی جمع خرچ کے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا۔ کچھ لوگوں نے یہاں تک کہا کہ ٹھیک ہے آپ نے مہاجر طلبا تنظیم یہاں تک پہنچادی ہے اب اگر آپ ہمارے مشوروں پر عمل کریں گے' ہمارے کہنے پر چلیں گے تو ہم آپ کو فنانس کریں گے لیکن پلاننگ ہماری ہوگی کام آپ کو کرنا ہوگا۔ اس بات کو' میں نے اور میرے ساتھیوں نے قطعی طور پر مسترد کر دیا البتہ ہم نے ان لوگوں سے یہ ضرور کہا کہ آپ میدان میں آجائیں اور جس طرح ہم کام کر رہے ہیں اسی طرح کام کریں کیونکہ ہم لوگ مالی طور پر بہت کمزور ہیں' اس لئے ہم آپ کے پیچھے چلنے کے لئے تیار ہیں لیکن ان حضرات نے کہا کہ نہیں ہم (اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر) آپ کو پالیسی بنا کر دیں گے اور آپ کام کریں لیکن ان کی اس بات کو میں نے قطعی طور پر نامنظور کر دیا اس طرح ہم نے مالی امداد کی ہر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا جو مشروط تھی۔

ایک اور مہاجر طلبہ تنظیم

جب ہم مدد اور تعاون کے سلسلے میں مہاجر سرمایہ داروں اور کھاتے پیتے لوگوں سے ملے تو یہ تو دور کی بات ہے کہ کوئی بے لوث ہو کر ہماری مدد کرتا البتہ کچھ لوگوں نے ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے مختلف چالیں چلنا شروع کر دیں میں یہاں نام نہیں لوں گا۔ ایک جانی پہچانی سیاسی شخصیت ہیں انہوں نے اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے مدمقابل مہاجر نام کی ایک اور طلبہ تنظیم بنادی۔ جامعہ کراچی میں داخلہ مہم کے دوران ایک دن جب میں یونیورسٹی کیمپس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے علاوہ ایک اور مہاجر طلبہ تنظیم کے بینر لگے ہوئے ہیں۔ اس تنظیم کا نام تھا۔ "مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن" جبکہ ہماری تنظیم کا نام "آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن" تھا۔ یعنی انہوں نے صرف "آل پاکستان" کے الفاظ نکال دئے تھے۔ ہم جہاں دیکھ رہے تھے وہاں ایم۔ ایس۔ او یعنی مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے بینر لگے ہوئے تھے۔

لوگوں نے جب چند ہی ماہ میں مہاجروں کی دو تنظیموں کے بینر دیکھے تو مخالفین کو خاص طور پر ہماری مخالف ایک مؤثر تنظیم کو تو پروپیگنڈہ کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آگیا انہوں نے کہنا شروع کر دیا۔ "یہ

مہاجر کبھی متحد نہیں ہوسکتے۔ دیکھا نہیں چار دن میں دو مگڑیوں میں بٹ گئے۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں کہ ایک سے دو تنظیمیں ہوگئیں۔ ہم طلبہ کو بہت سمجھاتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ دو تنظیموں کے بینر برسرحال لگے ہوئے تھے۔ جن صاحب نے دوسری تنظیم بنوائی تھی وہ ان لڑکوں کو تنخواہ دیتے تھے جو اسٹال وغیرہ لگاتے تھے اور دوسرے کام کرتے تھے۔ لیکن میں یہ بتاؤں کہ تنخواہ دے کر کوئی کسی کا خلوص یا عقیدت نہیں خرید سکتا۔ چونکہ ہم نے ان صاحب کی شرائط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے اپنے پیسے کے ناز پر ہماری ضد میں انہوں نے یہ تنظیم بنوائی تھی کہ وہ اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کو ختم کر دیں گے لیکن جب تک وہ کام کرنے والے لڑکوں کو پیسے دیتے رہے اس وقت تک تنظیم کا نام چلتا رہا اور صرف ایک ماہ تک وہ تنظیم چلتی رہی۔ اس کے بعد وہ تنظیم کہاں گئی آج تک اس کا پتہ نہیں ہے۔ بہرحال ہم درگزر کرنے والے ہیں ہم نے تو ہر طرف سے طعنے اور الزامات برداشت کئے ہیں ہم نے ان صاحب کی بات کو بھی نہ صرف نظرانداز کر دیا تھا بلکہ دل سے نکال دیا۔

اپنے ساتھیوں کے کہنے پر جب ہم مہاجر سرمایہ داروں سے ملے تو ہوتا یہ تھا کہ ہم ان کے دفتر پہنچتے اور چٹ بھیج کر استقبالیہ پر بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن وقفہ وقفہ سے یہی جواب ملتا رہتا تھا کہ "صاحب" ابھی مصروف ہیں انتظار کریں۔ جب دیکھو صاحب میٹنگ میں ہی ہوتے تھے۔ ہم تین تین' چار چار گھنٹے بیٹھے رہتے۔ پھر پوچھتے تو معلوم ہوتا کہ صاحب تو چلے گئے۔ ہم پوچھتے کہ بھئی آخر کہاں سے چلے گئے۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ہم نے تو انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پتہ چلتا کہ صاحب پچھلے دروازہ سے چلے گئے۔ اس طرح آنے جانے سے ہمارا فائدہ تو کچھ نہ ہوا البتہ ہمارا بہت وقت برباد ہوگیا۔ لیکن اچھا ہوا کہ ساتھیوں کو تجربہ ہوگیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب خود ہی دیکھ لو' اس لئے کہ ہم جس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ غریب اور نچلا طبقہ ہے۔

اگر الطاف حسین کسی نواب کا' کسی جاگیردار کا بیٹا ہوتا تو اسے ایک ایک کے دفتر کی خاک نہیں چھاننا پڑتی بلکہ اس کا باپ ٹیلی فون کر دیتا تو سارے سرمایہ دار جمع ہوجاتے اور خود آکر پیسے دے جاتے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائی ہمیں تو سبزی والوں سے' پرچون والوں سے' دکانداروں سے چندہ جمع کرنا ہوگا' ہمیں گلی گلی اور گھر گھر ہی جانا ہوگا اور یہ چندہ جمع کرنے کے صلہ میں بعض گھروں اور دکانوں سے جو طعنے آپ کو سننے کو ملتے ہیں وہ برداشت کرنا ہوں گے کیونکہ میں خود بھی یہ باتیں سنتا ہوں اور خوشی سے برداشت کرتا ہوں۔ اس طرح کٹھن حالات میں ہم اے۔ پی۔ ایم ایس۔ او کے لئے کام کرتے رہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم ثابت قدم رہے۔

اب میں جامعہ کراچی میں طلبہ یونین کے الیکشن کی طرف آتا ہوں۔ یہ اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے قیام کے بعد پہلا الیکشن تھا۔ تنظیم کے قیام کے بعد جب ہم کبھی سوشل ورک ڈیپارٹمنٹ' فارمیسی یا جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کے لان میں دائرہ کی شکل میں بیٹھ کر اپنی میٹنگ کیا کرتے تھے تو ہمارا اس قدر مذاق اڑایا جاتا تھا کہ میں اسے یہاں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ہم جدھر سے گزرتے تھے ہم پر طرح طرح

کے آوازے کسے جاتے تھے۔ ایسے تضحیک آمیز اور طنزیہ جملے کسے جاتے تھے کہ بہت دل دکھتا تھا اور دکھ کی بات یہ تھی کہ ان جملے کسنے والوں میں ۹۹ فی صد مہاجر طلبہ ہوتے تھے۔ ہم جہاں سے گزرتے ہمیں انتہائی حقارت سے دیکھا جاتا لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری تمام طعنے' تمام گالیاں سنتے رہے اور اپنا کام کرتے رہے۔ بہرحال جب اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے قیام کے بعد جامعہ کی طلبہ کی یونین کا پہلا الیکشن آیا تو ہمارے سب ساتھی سر جوڑ کر بیٹھے اور غور وخوض کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ الیکشن میں حصہ لیا جائے۔ لیکن مسئلہ پھر وہی تھا کہ رقم کہاں سے آئے سوائے چندہ کے ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ پہلے تو سب ساتھیوں نے خود چندہ کیا۔ کسی نے سو دیئے۔ کسی نے پچاس دیئے' اس کے بعد ہنگامی طور پر کراچی کے مختلف بازاروں میں چندہ کی مہم چلائی گئی۔ جب ہم رسید بکس لے کر نکلتے تو لیاقت آباد' گولیمار' ناظم آباد' ایمپریس مارکیٹ' لیاقت آباد' صرافہ مارکیٹ' کپڑا مارکیٹ اور جامعہ کلاتھ مارکیٹ کے دکاندار ہم سے کہنے لگے کہ بھئی تم لوگ ابھی ایک ہی ہفتہ پہلے تو چندہ لے کر گئے ہو اب اتنی جلدی پھر آ گئے۔ شاید وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ ہم چندہ جمع کر کے کھا جاتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو پانچ یا دس دے دیتے تھے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی نے سو روپے بھی دیئے ہوں' بعد میں البتہ لوگوں نے زیادہ بھی دیئے۔

طلبہ یونینوں کے انتخابات میں حصہ

جامعہ کراچی میں جہاں مہاجر طلبہ کی اکثریت ہے' ایک مہاجر طلبہ تنظیم جو مہاجروں کے مفاد کے لئے جدوجہد کر رہی تھی اس کے صدارتی امیدوار کو صرف اور صرف ۹۵ ووٹ حاصل ہوئے۔ جب کہ جامعہ میں دس ہزار طلبہ تھے اس سے کچھ لوگوں میں مایوسی پھیلی کہ جامعہ کراچی میں مہاجر طلبہ کی اکثریت کے باوجود اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کو جو خالصتاً مہاجر کاز کے لئے کام کر رہی ہے اتنے کم ووٹ ملے اور خود مہاجر طلبہ نے اسے ووٹ نہیں دیئے میں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ وہ حوصلہ نہ ہاریں' جو جدوجہد ہم کر رہے ہیں وہ کوئی کھیل نہیں ہے اس کے لئے ہمیں بہت مشکل مرحلوں سے گزرنا ہوگا لہٰذا ہمیں حوصلہ مندی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ میں اپنے ساتھیوں کی تعریف کرتا ہوں کہ وہ اسی جذبہ اور اسی لگن سے کام کرتے رہے اور اپنے محاذ پر ڈٹے رہے۔ اگلے سال جب جامعہ کی یونین کا الیکشن ہوا تو اس میں ہماری تنظیم نے نو سو (۹۰۰) ووٹ حاصل کئے۔ ہمارے تیس کونسلر کامیاب ہوئے۔ پندرہ میں سے ایک فیکلٹی کا نمائندہ ہمارا کامیاب ہوا۔ یہ کامیابی دیکھ کر مہاجر طلباء و طالبات کی بڑی تعداد ہمارے ساتھ آ گئی اور اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او تیزی سے مقبول ہونے لگی جامعہ کراچی کے علاوہ دوسرے تعلیمی اداروں میں بھی اس کی پوزیشن بہتر ہو گئی اور طلبا تیزی سے اس میں شامل ہونے لگے۔

یہ صورت حال دیکھ کر جامعہ کراچی میں طلبہ کی تین مؤثر تنظیموں میں سے ایک تنظیم یعنی اسلامی جمعیت طلبہ کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ اگر اے۔ پی۔ ایم۔ ایس اوا سی طرح آگے بڑھتی رہی تو اگلے سال وہ جامعہ کراچی میں لازمی طور پر اپنی یونین منتخب کرانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنے تھنڈر اسکواڈ کے ذریعہ جامعہ کراچی اور اردو سائنس کالج میں طلبہ کو زدوکوب کرنا شروع کیا۔ ہم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اسی دوران یکم فروری ۱۹۸۱ء کو جامعہ کراچی میں داخلہ مہم شروع ہو گئی۔ اس دن جامعہ کراچی میں صرف اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او ہی نے نہیں بلکہ تمام طلبہ تنظیموں نے اپنے اسٹال لگائے تھے جن میں پاکستان لبرل اسٹوڈنٹس' پروگریسو اسٹوڈنٹس الائنس' جئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن' بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن' پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن' پنجابی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن اور اسلامی جمعیت طلبہ بھی شامل تھی۔ داخلہ مہم کے سلسلے میں طلبہ تنظیموں کے اسٹالز پر نہ صرف نئے آنے والے طلبہ کو گائیڈ کیا جاتا ہے بلکہ ان کو یونیورسٹی میں داخلہ کے فارم بھی دیے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ بینک میں ہونے والی بھیڑ سے بھی بچ جاتے ہیں۔ مختلف تنظیمیں نئے طلبہ کی سہولت کے لئے کتابچے بھی شائع کرتی ہیں جن میں تمام شعبوں کی تفصیلات اور داخلہ کا طریقہ کار وغیرہ درج کیا جاتا ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا کہ داخلہ مہم کے دوران آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے اسٹال پر تمام طلبہ تنظیموں سے زیادہ ہجوم تھا۔ دوسرے اسٹال خالی پڑے تھے۔ حالانکہ طلبہ کسی بھی تنظیم کے اسٹال سے داخلہ فارم خرید سکتے تھے۔ لیکن ہمارے اسٹال پر اس قدر رش تھا کہ ہمیں لائنیں لگانا پڑیں لیکن طلبہ کا عزم یہی تھا کہ وہ داخلہ فارم اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے اسٹال ہی سے خریدیں گے خواہ انہیں لائن میں لگنا پڑے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ یونیورسٹی میں نئے آنے والے طلبہ کس تنظیم میں شمولیت اختیار کریں گے یا ان کا رجحان اور جھکاؤ کس تنظیم کی طرف ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ۳ فروری کو شہر بھر سے اپنے تھنڈر اسکواڈ کو یونیورسٹی بلایا اور اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے تمام اسٹالوں پر مسلح حملہ کر دیا۔ گولیاں چلائیں' ہمارے ساتھیوں کو چاقو بھی مارے' تمام اسٹالوں پر مسلح حملہ کر دیا۔

تمام اسٹال توڑ دیئے ان میں آگ لگا دی' اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے اسٹالز پر جو طالبات بیٹھی تھیں ان کے دوپٹے کھینچے اور ان کے ساتھ انتہائی افسوس ناک رویہ اختیار کیا، ان کے پرس چھین لئے، تمام اسٹالز پر داخلہ فارموں کی فروخت سے جو رقم جمع ہوئی تھی وہ چھین لی۔ اسٹالوں پر لگے ہوئے اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے جھنڈوں کو زمین پر پھینک کر پیروں تلے روندا' ان پر رقص کیا۔ غرض اس روز جس بربریت کا مظاہرہ کیا گیا اسے جامعہ کی تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

جامعہ کراچی میں ۳ فروری ۱۹۸۱ء کے واقعہ کے بعد جمعیت نے اردو سائنس کالج میں اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے کارکنوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا' نہ صرف یہ بلکہ اسلحہ کے زور پر اس نے جامعہ کراچی اور اردو سائنس کالج میں اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او کے کارکنوں کا داخلہ بند کر دیا۔ اس وقت میں بی فارمیسی کر چکا تھا اور ایم فارمیسی کا طالب علم تھا لیکن حالات اتنے خراب کر دیئے گئے۔ کہ میں خود بھی یونیورسٹی چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

صورت حال یہ تھی کہ وہاں اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کا جو بھی کارکن قدم رکھ لیتا تھا جمعیت کے لوگ اس پر تشدد کرتے تھے۔ ہم لوگ اپنا دفاع نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس تنظیم کے پاس اسلحہ کی کوئی کمی نہ تھی اور ہمارے پاس اسلحہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ ہمارے ساتھیوں میں حوصلہ یا جذبات نہیں تھے لیکن ظاہر ہے کہ خالی ہاتھ رہ کر تو مسلح لوگوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جب کہ ان کے کارکنان اسٹین گنوں' ریوالوروں' کلہاڑیوں' لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مسلح ہوتے تھے۔

جامعہ کراچی میں ۳ فروری ۱۹۸۱ء کو مجھ پر بھی حملہ کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود مجھے گولی نہ لگ سکی البتہ میرے دوسرے کئی ساتھی زخمی ہو گئے تھے میں وہیں موجود تھا لیکن ساتھی طلبہ وطالبات نے حصار بنا کر میری حفاظت کی میں آخر وقت تک وہیں تھا۔ جب حملہ آوروں نے دیکھا کہ اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے کارکن لہولہان ہو گئے ہیں تو وہ نعرے لگاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ بعد ازاں میں نے اپنے زخمی ساتھیوں کو اسپتال پہنچایا۔ ایم۔ کیو۔ ایم کے موجودہ چیئرمین عظیم احمد طارق اس وقت اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے سیکرٹری جنرل تھے ان کے ہاتھ میں بھی خنجر لگا تھا۔

جب ہم نے اس واقعہ کی ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی تو حملہ آوروں کو گرفتار کرنے کی بجائے تھانہ والوں کی طرف سے ہمیں ہی دھونس اور دھمکیاں دی جانے لگیں۔ ہم پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ ہم اپنی رپورٹ واپس لیں۔ یہ بات بڑی افسوس ناک اور تعجب خیز تھی کہ کسی پر ظلم بھی ہو اور اسے شکایت کرنے کی اجازت بھی نہ ہو۔ اس زمانے میں اخبارات پر سنسر تھا اس لئے ہماری خبریں بھی شائع نہیں ہوتی تھیں اور ہمارے ساتھ تو عام دنوں میں بھی سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔

چونکہ اس وقت جو حکومت تھی وہ جمعیت کی کھل کر سرپرستی کر رہی تھی۔ اس لئے ہماری مسلسل درخواست اور کوشش کے باوجود ہمیں ایف آئی آر کی کاپی تک نہیں دی گئی۔ اگر جامعہ کی انتظامیہ ہم سے کوئی ہمدردی کرنا بھی چاہتی تو نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ اس وقت کے وائس چانسلر (شاید ترمذی صاحب) نے اسپتال آ کر ہمارے زخمی ساتھیوں کی عیادت کی تھی۔



جلسہ عام سے خطاب

تعلیمی اداروں کی صورتحال

جامعہ کراچی کے علاوہ 'این۔ ای۔ ڈی یونیورسٹی' اردو سائنس کالج' شپ اونرز کالج' جناح کالج اور وہ تمام تعلیمی ادارے جہاں ہمارے یونٹ قائم تھے۔ وہاں طاقت کے بل بوتے پر ہمارے کارکنوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ مہاجر تنظیم کا کام کرنا چھوڑ دیں۔ ۳ فروری کو ہم اپنے زخمی ساتھیوں کو طبی امداد وغیرہ دلا کر جب فارغ ہوئے تو رات کو سر جوڑ کر بیٹھے میں نے ساتھیوں سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے کیونکہ آپ لوگ غیر مسلح ہیں، صرف جذبہ سے تو آپ ہتھیاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ان حالات میں آپ کس طرح کام کریں گے۔ ایسے مشکل وقت میں بھی تمام ساتھیوں نے کہا کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں' ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

میں ایک بار پھر کراچی شہر کے نامی گرامی لوگوں کے پاس گیا اور انہیں احساس دلایا کہ آپ مہاجر ہیں' ہم مہاجروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تعلیمی اداروں میں ہمارے مخالفین نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے آپ ہمارا ساتھ دیں لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کوئی بھی ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوا، مجبور ہو کر میں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا کہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۱ء تک ہم نے تین سال جامعہ اور دوسرے اداروں میں مہاجر کاز کے لئے کام کیا اور اس عرصہ میں ہم نے جو کامیابی حاصل کی اسے ہمارے مخالفین برداشت نہیں کر سکے اور وہ کھلی ہوئی دہشت گردی پر اتر آئے، ہمارے پاس وہ وسائل نہیں ہیں کہ ہم اس دہشت گردی کا مقابلہ کر سکیں اور نہ ہی کوئی ہماری مدد کرنے کو تیار ہے، لہٰذا اب ہمیں جامعہ کراچی اور دوسرے تعلیمی اداروں سے مہاجر جھنڈوں کو اتارنا پڑے گا' لپیٹنا پڑے گا اور مہاجر نام کو سمیٹنا پڑے گا ہم نے پوری کوشش کی کہ ہم مہاجروں کی تنظیم بنا کر کام کر سکیں لیکن اب ہم مسلح طاقت کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں۔

میں وہ منظر زندگی بھر نہیں بھول سکتا' فیڈرل "بی" ایریا کے ایک گھر کے اس کمرہ میں جہاں یہ میٹنگ ہوئی تھی وہاں موجود میرے ساتھیوں نے جب میرے منہ سے یہ الفاظ سنے کہ اب ہمیں جامعہ کراچی اور دوسرے تعلیمی اداروں سے مہاجر جھنڈوں کو اتارنا پڑے گا مہاجر نام کو چھوڑنا پڑے گا اور اپنے کام کو ختم کرنا پڑے گا تو ان میں سے ہر ایک اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا جس طرح کسی کے گھر میں انتہائی قریبی عزیز کی میت ہو جاتی ہے۔ میرے ساتھی میرے یہ الفاظ سن کر اتنے غم زدہ ہوئے کہ دیواروں سے اپنا سر ٹکرانے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے سروں سے خون نکلنے لگا۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھی تو میں نے ان سے پوچھا کہ ساتھیو! آپ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہر قیمت پر مہاجر کاز کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ اچھا اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو چونکہ جامعہ اور دوسرے تعلیمی اداروں میں ہمارا داخلہ بند کر دیا گیا ہے اس لئے اب ہم گلی گلی' کوچہ کوچہ' محلہ محلہ اور شہر شہر جا کر مہاجر نام کو پھیلائیں گے اور مہاجر کاز کے لئے کام کریں گے۔

تعلیمی اداروں سے اخراج کے بعد

۳ فروری ۱۹۸۱ء سے پہلے بھی ہم مختلف علاقوں میں میٹنگ کیا کرتے تھے لیکن ہمارا مقصد صرف طلبہ کی سطح تک کام کرنے کا تھا مگر جب تعلیمی اداروں میں ہمارا داخلہ بند ہو گیا اور ساتھیوں نے بھی ہر قیمت پر کام کرنے کا فیصلہ صادر کیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب ہمیں اپنی ساری توجہ مختلف علاقوں، محلوں اور گلیوں میں دینا ہوگی ایک در بند ہوا تھا دوسرا در کھل گیا۔ ہم نے گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں میٹنگز شروع کر دیں اور کراچی کے مختلف علاقوں میں ہمارے یونٹ قائم ہونے لگے۔ پہلے صرف طالب علم ہمارے ساتھ تھے۔ لیکن اب مختلف علاقوں میں کام کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او کا ساتھ دینے لگے۔ ہمارے یونٹ مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگے۔ جب ہم کسی علاقہ میں صرف یونٹ کی سطح پر اے پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے جلسے کرتے تھے تو ان میں اتنے لوگ موجود ہوتے تھے جتنے بہت سی سیاسی پارٹیوں کے جلسوں میں نہیں ہوتے تھے۔

چونکہ ہمارے تمام لوگوں کا تعلق غریب یا متوسط طبقہ سے تھا اور اخبارات یا بڑے لوگوں پر ہمارا اثر ورسوخ نہیں تھا اس لئے ہمارے بڑے بڑے جلسے بھی عوام کی نظروں میں نہیں آتے تھے۔ ہم اخبارات کو برابر دعوت نامے دیتے تھے جا جا کر ان سے گزارشات کیا کرتے تھے میں خود جا کر ہر ایک سے درخواست کرتا تھا لیکن وہ لوگ ہماری کسی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے۔ بہر حال ہم نے کراچی کے علاوہ سندھ کے بہت سے دوسرے شہروں اور قصبوں میں بھی اپنے یونٹ قائم کئے اور پورے سندھ کے دورے شروع کر دیئے ابھی ہماری تنظیم اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او ہی کے نام سے کام کر رہی تھی۔

ایم۔ کیو۔ ایم کا قیام

دراصل اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او میں طلبہ کے علاوہ دوسرے نوجوانوں کی بڑی تعداد شامل ہو چکی تھی اور ہم لوگ خود بھی اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اس لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ مہاجر کاز کیلئے قومی سطح پر ایک علیحدہ تنظیم کی ضرورت ہے دیگر لوگوں کا بھی یہی اصرار تھا اور اس طرح ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو ایم۔ کیو۔ ایم۔ کا قیام عمل میں لایا۔

ایم۔ کیو۔ ایم میں معمر لوگوں نے بھی ہمارا ساتھ دیا لیکن ان کی تعداد نوجوانوں کے مقابلہ میں کم تھی دوسری بات یہ ہے کہ جو بھی معمر لوگ ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے یا ایم۔ کیو۔ ایم کی طرف راغب ہوئے وہ غریب یا لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے کوئی بڑا نام یا بڑی شخصیت نہ پہلے ہمارے

ساتھ شامل تھی نہ آج تک شامل ہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسی جماعتوں یا ایسی تحریکوں سے خود کو وابستہ کرتے ہیں جن کا عروج ہوتا ہے یا جن کو کبھی اقتدار ملنے کے امکانات ہوتے ہیں لیکن ہم سے تو کوئی بھی ایسی توقع نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے ہمارے ساتھ کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ بہر حال نوجوانوں کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کے غریب اور متوسط طبقے کے معمر افراد بھی ہمارا ساتھ دیتے تھے' ہمارے جلسوں میں آتے تھے اور کام بھی کرتے تھے لیکن ان کی تعداد نوجوان کیڈر کے مقابلہ میں بہت کم تھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ نوجوان بری طرح مسائل میں الجھے ہوئے تھے اس لئے وہ تیزی کے ساتھ ایم۔ کیو۔ ایم میں شامل ہونے لگے۔ یہ تحریک ہزار مشکلات کے بعد آگے بڑھتی گئی۔ ۱۹۸۶ء میں جب کراچی میں سیاسی جماعتوں کے عوامی جلسوں کا آغاز ہوا تو ہمارے کارکنوں کا اصرار ہوا کہ ہمیں بھی نشتر پارک میں جلسہ کرنا ہے۔ میں نے کہا کہ نشتر پارک میں جلسہ کرنے کی خواہش تو بڑی اچھی ہے لیکن یہ کسی محلّہ کا جلسہ تو ہے نہیں اس کے لئے بڑے انتظامات اور بڑی رقم کی ضرورت ہے لیکن ساتھیوں نے کہا کہ ہم دن رات کام کریں گے مگر ہمیں یہ جلسہ کرنا ہے اور اسے کامیاب بنانا ہے۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ رقم کا تھا ہم نے کراچی کے تین یونٹوں اور دوسرے شہروں کے یونٹوں کے اجلاس بلائے اور یہ مسئلہ سامنے رکھا ہر یونٹ نے ہمیں اپنا ٹارگٹ دے دیا کہ ہم اس حد تک چندہ جمع کریں گے لیکن ہم نے سوچا کہ پہلے یہ رقم جمع ہونی چاہئے اس کے بعد ہم جلسہ کی تاریخ کا اعلان کریں گے۔ میں اپنے تمام کارکنوں اور علاقائی عہدیداروں کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے مقررہ وقت کے اندر اپنا ٹارگٹ پورا کر دیا اور رقم مرکز میں جمع کرادی۔ اس کے بعد ہم نے نشتر پارک کے جلسے کا اعلان کیا۔ ہمیں اس وقت بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور جلسہ سے قبل دوسری تنظیموں کو جس طرح کوریج دی گئی تھی اس کا عشر عشیر بھی ہمیں نہیں مل سکا۔

اکثر لوگ ایم۔ کیو۔ ایم کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن ہمارے ساتھیوں کی ۸ سالہ جدوجہد ۸ اگست ۱۹۸۶ء کو رنگ لائی اور اس کا اظہار نشتر پارک کے جلسے سے ہوا وہاں لاکھوں انسانوں کا اجتماع تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں ایسا کوئی اور جلسہ بھی ہوا ہو لیکن میرے علم میں تو یہ ہے کہ وہ پہلا جلسہ تھا جس میں اتنی دھواں دھار بارش ہوئی اور جیسے جیسے بارش تیز ہوتی تھی ویسے ویسے "نعرہ مہاجر۔ جئے مہاجر" کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ جو نظم وضبط ہمارے اس جلسہ میں دیکھنے میں آیا وہ بڑے بڑے تاریخی جلسوں میں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ خدا کا فضل ہے کہ ساتھیوں کی دلی تمنا بھی پوری ہوئی اور مہاجر نام ایک بڑی سطح پر ابھر کر سامنے آیا۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ایم۔ کیو۔ ایم بھی کوئی تنظیم ہے۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ ایم کیو ایم صرف دو سال میں آگے آگئی اس کا سبب یہ ہے کہ عام آدمی نے فرنٹ پیج پر ایم۔ کیو ایم۔ کی خبر ہی پہلی بار پڑھی' وہ تنظیم اسے ہی سمجھتے ہیں جس کی خبر فرنٹ پیج پر آتی ہے حالانکہ بعض تنظیمیں ایسی بھی ہیں جو ڈرائنگ روم تک محدود ہیں یا صرف ایک تانگہ میں یا ایک ٹیکسی میں اپنے عہدیداروں اور ورکروں سمیت سما سکتی ہیں۔ جتنے چھوٹے گھروں میں' میں اور

میرے ساتھی رہتے ہیں۔ اتنے چھوٹے گھروں میں رہنے والوں نے شاید ہی کوئی نئی تحریک چلائی ہو اور اسے اس منزل تک پہنچایا ہو۔ شروع میں ہمارے ان چھوٹے گھروں ہی کی وجہ سے ہمیں وہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی جو ہونا چاہئے تھی۔

ایم کیو ایم کی اہمیت

اس عظیم الشان جلسہ کے بعد مہاجر دشمن قوتیں اور استحصالی عناصر ہمارے خلاف سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مہاجر اسی طرح متحد اور منظم ہو گئے تو ہمارے لئے بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ کیونکہ ہمارا نعرہ یہ تھا کہ سندھ کے ان باشندوں کا پہلا حق ہے جو اس زمین سے کما کر اسی زمین پر خرچ کرتے ہیں۔ یہاں سے کمیں منی آڈر نہیں بھیجتے' ان کا جینا ان کا مرنا اسی دھرتی سے وابستہ ہے' ہماری یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار گزرتی تھی حالانکہ ہم نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ ہماری تحریک پنجابیوں یا پختونوں کے خلاف نہیں ہے' بلکہ یہ ہمارے حقوق کی تحریک ہے اور ہم اپنے پنجابی پختون بھائیوں سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے مطالبہ کو اپنے خلاف کیوں سمجھتے ہیں۔ آپ کے جو علاقائی لیڈران ہیں جو کراچی میں آ کر جلسے کرتے ہیں آپ انہیں مجبور کریں کہ وہ جدوجہد کر کے سرحد اور پنجاب میں صنعتیں قائم کرائیں اور ایسی سہولتیں مہیا کرائیں کہ وہاں کے لوگوں کو روزگار حاصل کرنے کے لئے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر سینکڑوں میل کا سفر کر کے یہاں نہ آنا پڑے' ہم نے تو ان کے حقوق کی بھی بات کی' وہاں کے مظلوموں کی بھی بات کی' وہاں کے غریب طبقہ کی بھی بات کی۔ لیکن جب سیاسی جماعتوں نے دیکھا کہ انہیں نقصان پہنچ رہا ہے' تو کسی نے کہہ دیا کہ مہاجر کوئی قومیت نہیں ہوتی' قومیتوں کا نعرہ غلط ہے' لسانی امتیاز ختم ہونا چاہئے' مہاجر کہنا شرعاً ناجائز ہے ..... وغیرہ وغیرہ! اور اس قسم کی باتیں ان جماعتوں نے کیں جن کے لئے مہاجر کٹتے رہے ہیں' یا مرتے رہے ہیں اور انہوں نے ان جماعتوں کے لئے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ ان جماعتوں نے پختون' پنجابی' سندھی' بلوچ' سرائیکی' کشمیری' گلگتی' ناموں کی تنظیموں پر کبھی واویلا نہیں مچایا' لیکن انہوں نے مہاجر نام کی تنظیم پر اتنا واویلا مچایا کہ انتہا کر دی۔ نہ پہلے کبھی کسی کو' کسی کا سندھی' پنجابی' پختون' یا بلوچ کہنا شرعاً ناجائز لگا' نہ کبھی انہوں نے چار قومیتوں کے خلاف بڑھ چڑھ کر بات کی' لیکن جب مہاجر قومیت کی بات ہوئی تو سارے فلسفے' سارے فتوے میدان میں آ گئے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ یہ جماعتیں مہاجروں سے کتنی ہمدردی رکھتی ہیں جب کہ مہاجر سب سے آگے بڑھ کر ان کا ساتھ دیتے تھے اور انہی کے لئے قربانیاں دیتے تھے لیکن یہ مہاجروں کے اتحاد کو برداشت نہ کر سکیں اور انہوں نے اپنے مخالفانہ پروپیگنڈے کی توپوں کا رخ ہماری طرف کر دیا ہم پر طرح طرح کے جھوٹے اور من گھڑت الزامات عائد کئے جانے لگے کہ یہ ملک دشمن

ہیں' یہ تخریب کار ہیں' علیحدگی پسند ہیں' یہ غیر ملکی ایجنٹ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہاجروں کے حقوق کی بات کرنا ملک دشمنی' تخریب کاری یا علیحدگی پسندی یا ملک سے غداری ہوگئی۔ ہم پر عجیب و غریب الزامات کی بارش کر دی گئی لیکن میں اپنے ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ ان میں کسی قسم کی کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

کراچی کے بعد حیدر آباد کے مہاجر عوام کی خواہش ہوئی کہ حیدر آباد میں بھی ایم۔ کیو۔ ایم کا جلسہ کیا جائے۔ جس طرح ہم نے کراچی کے جلسہ کے انتظامات کئے تھے بالکل اسی طرح حیدر آباد کے جلسہ کے انتظامات کئے اور یہ طے کیا کہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو حیدر آباد کے پکے قلعہ میں جلسہ کیا جائے گا لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ہمارا اتحاد اور مقبولیت مہاجر دشمن عناصر اور استحصالی طبقوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو جب ہمارا قافلہ اپنی خوشیوں میں مگن حیدر آباد کی طرف رواں دواں تھا تو اس پر سہراب گوٹھ پر کلاشنکوف اور رائفلوں سے فائرنگ کی گئی اور ہمارے ساتھی شہید کئے گئے' پھر حیدر آباد میں مارکیٹ پر ہمارے ساتھی شہید کئے گئے۔ جلوس پر حملے کے نتیجے میں شہید ہونے والے ساتھیوں نے بھی آخری الفاظ یہی کہے کہ مرکز تک ہماری یہ ہدایت پہنچا دی جائے کہ آج کا جلسہ ہر صورت میں کامیاب ہونا چاہئے' ہمارے بہت سے ساتھی یہ پیغام دے کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔

جس روز حیدر آباد میں جلسہ تھا اس روز میں صبح ساڑھے آٹھ بجے ہی حیدر آباد پہنچ گیا تھا تاکہ انتظامات کا جائزہ لے سکوں۔ مجھے جلسہ گاہ میں اطلاع ملی کہ کراچی اور حیدر آباد میں ہمارے جلوسوں پر فائرنگ ہوئی ہے۔ اس وقت میرے سامنے ۵ لاکھ افراد کا اجتماع تھا لیکن میں نے اپنی پوری تقریر میں اس واقعہ کا تذکرہ تک نہیں کیا صرف اس لئے کہ اگر میں ایسا کرتا تو اس سے اشتعال پھیلتا' میرے سامنے غصہ میں بھرے ہوئے ۵ لاکھ افراد جمع تھے' حیدر آباد کی تاریخ میں آج تک اتنا بڑا جلسہ نہیں ہوا اس روز وہاں کے لوگوں کا جذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ رکشہ والے اپنے رکشے مفت چلا رہے تھے' ہوٹل والے جلسہ میں آنے والوں کو بغیر پیسے لئے کھانا فراہم کر رہے تھے۔ لوگ جس جذبہ سے سرشار تھے میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بہرحال جلسہ گاہ میں بھی آہستہ آہستہ یہ بات پھیل گئی کہ مہاجروں کے جلوسوں پر مسلح حملے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ان جلوسوں میں شامل لوگوں کے بہت سے گروپ جلسہ گاہ میں پہنچ چکے تھے میری تقریر کے دوران وہ لوگ بار بار مطالبہ کر رہے تھے کہ میں سہراب گوٹھ کے واقعہ کے بارے میں بات کروں لیکن میں انہیں یہ کہہ کر تسلی دیتا رہا کہ ابھی آپ صبر کریں ہمارے ذمہ دار ساتھی حادثہ کی تفصیلات معلوم کر رہے ہیں اس کے بعد میں اس پر بات کروں گا میں نے مجمع کے اشتعال کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی' اس لئے کہ اگر میں وہاں یہ بات کہتا کہ سہراب گوٹھ اور حیدر آباد مارکیٹ پر ہمارے جلوسوں پر حملہ کر کے اتنے مہاجر نوجوانوں کو شہید اور زخمی کر دیا گیا تو اندازہ کیا جا سکتا



شہدائے اردو کے مزار پر

ہے کہ ۵ لاکھ کا مجمع بے قابو ہو جاتا اور اس سے مزید المناک واقعات پیش آ سکتے تھے۔ حالانکہ میں اور ایم۔ کیو۔ ایم کے دوسرے قائدین انتہائی غم و غصہ میں مبتلا تھے لیکن ہم نے صبر کیا اور عوام کو بھی صبر کی تلقین کی۔ میں نے اس جلسہ میں شہدا کے لئے فاتحہ خوانی تک نہیں کی کیونکہ اس طرح جلسہ کے تمام لوگوں کے علم میں ہر بات آ جاتی اور پھر وہ مشتعل ہو جائے۔

جلسہ کے بعد میں نے حیدر آباد میں پریس کانفرنس کی۔ ہمیں اطلاع مل چکی تھی کہ اس واقعہ سے کراچی میں زبردست اشتعال پھیل گیا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ عظیم بھائی (عظیم احمد طارق) چیئرمین ایم۔ کیو۔ ایم) حیدر آباد میں شہدا کے جنازوں میں شرکت کریں گے اور میں کراچی جا کر وہاں کے شہدا کے جنازوں میں شرکت کروں گا اور وہاں عوام کو صبر کی تلقین کر کے امن و امان برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ شام کو ساڑھے چھ سات بجے تک پریس کانفرنس کر کے میں فوری طور پر کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے حیدر آباد میں یہ اعلان بھی کیا کہ جلسہ میں شرکت کے لئے کراچی سے آنے والے تمام لوگ نیشنل ہائی وے سے براستہ ٹھٹھہ کراچی جائیں گے اور کوئی بھی سپر ہائی وے سے نہیں جائے گا۔ تاکہ سراب گوٹھ پر کوئی کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کرے۔ میں خود بھی ٹھٹھہ کے راستہ ہی کراچی آ رہا تھا کہ گھگھر پھاٹک پر مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ان پر ہمارے سینکڑوں ساتھی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ طرح طرح کے مقدمات قائم کر دئے گئے لیکن حملہ آوروں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پکڑا گیا۔ اس وقت ہی نہیں بلکہ آج تک نہیں پکڑا گیا حالانکہ ان میں سے بہت سے لوگوں کے نام تو اخبارات میں بھی شائع ہو چکے تھے اور وہ ایف۔ آئی۔ آر میں بھی موجود تھے۔ ہوا یہ ہے کہ جب مجھے رہا کیا گیا اور مقدمات واپس لئے گئے تو اس کے ساتھ ہی موقع پر موجود حملہ آوروں کے خلاف درج کئے جانے والے مقدمات بھی واپس لے لئے گئے حالانکہ مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر جو مقدمات قائم کئے گئے تھے وہ سراسر جھوٹے تھے۔ جب میں جیل ہی میں تھا تو علی گڑھ کالونی اور قصبہ کالونی کا واقعہ ہوا جو میرے خیال میں پاکستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا بدترین واقعہ تھا۔ میں سوائے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانے کے اور کیا کر سکتا تھا۔

رہائی کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ فرداً فرداً کراچی اور حیدر آباد کے شہدا کے گھر گیا فاتحہ خوانی کی ان کے لواحقین کو صبر کی تلقین کی۔ مجھے ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی رات کو گرفتار کیا گیا تھا اور ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء کو رہا کیا گیا۔ رہائی کے بعد جب میں نے تمام علاقوں کے دورے کئے تو عوام نے جس والہانہ انداز سے اپنی محبت اور خلوص کا اظہار کیا وہ میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اس بات سے میرے مخالفین اور چراغ پا ہو گئے۔ منصوبہ تو یہ تھا کہ اس طرح کے واقعات رونما کر کے ایم۔ کیو۔ ایم کو کچل دیا جائے گا۔

زمین پر انسان اپنے آپ کو خدا سمجھ کر بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے لیکن خدا صرف ایک ہی ہے اور وہ رب تعالیٰ کی ذات ہے جس کے قبضہ میں ہم سب کی جان ہے ، اس کو ساری حاکمیت ہے اور وہی قادر مطلق ہے۔ ہم پر اتنا بڑا وقت آیا اتنا ظلم ہم پر کیا گیا مگر سب نے دیکھ لیا کہ مہاجر تنظیم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے جو منصوبہ بندی کی گئی وہ کامیاب نہ ہو سکی اور بلدیاتی انتخابات میں "حق پرستوں" کو جو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔"

مہاجر عوام کی ثابت قدمی

مجھ پر یہ مقدمہ کورنگی تھانہ میں بنایا گیا تھا کہ میں نے وہاں کے کسی پولیس والے کی ٹوپی اور شاید بیلٹ چوری کرلی تھی۔ مجھ پر ایسے ایسے مضحکہ خیز مقدمات بنائے گئے جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ مہاجر عوام نے اتنا ظلم و ستم برداشت کیا اور اب بھی کر رہے ہیں' لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہوئے' میں انہیں سلام کرتا ہوں ۔ اتنا ظلم سہ کر انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ انہی لوگوں کی اولادیں ہیں جو کٹنا جانتے تھے لیکن جھکنا نہیں جانتے تھے' جنھوں نے انگریزوں اور ہندوؤں کے سامنے سر نہیں جھکایا' جنھوں نے پاکستان کی آواز بلند کرنے کی پاداش میں بڑے سے بڑا ظلم برداشت کیا۔ بالکل اسی طرح آج ان لوگوں کی اولادوں نے بڑے سے بڑا ظلم برداشت کیا ہے۔ شاباش ہے ماؤں کو' بہنوں کو' بھائیوں کو اور شہیدوں کو۔ شہیدوں کا ذکر آیا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ خدا نے ہمارے شہیدوں کا خون قبول کیا کیونکہ انہوں نے کسی لالچ کی بنیاد پر قربانی نہیں دی تھی ، اپنی ذات کے لئے قربانی نہیں دی تھی ، ۳۱ اکتوبر کے شہیدوں کا خون سچا تھا' سہراب گوٹھ اور حیدر آباد مارکیٹ کے شہیدوں کا خون سچا تھا۔ اس کے بعد ڈرگ مافیا نے کراچی کی مہاجر بستیوں میں جن بے گناہ جوانوں' بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا' ان کا خون سچا تھا صرف ڈرگ مافیا ہی نے بے گناہ لوگوں کا خون نہیں کیا بلکہ پولیس نے بھی ہماری بستیوں میں آکر بے دریغ گولیاں چلائیں۔ ہر کانسٹیبل خود کو ایس۔ پی ، ڈی۔ ایس۔ پی یا علاقہ ایس۔ ڈی۔ ایم سمجھتا تھا۔ ان لوگوں نے راہ چلتے ہوئے بے گناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو لیاقت آباد میں ایک خاتون کے جنازہ کے جلوس پر پولیس نے فائرنگ کی جس سے مرحومہ کا بیٹا ہلاک اور چار دوسرے افراد زخمی ہو گئے۔ ہمارے بے شمار بھائی پولیس کے ہاتھوں شہید ہوئے لیکن بے گناہ شہریوں کو گولیاں مار کر ہلاک کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ کسی پولیس والے کو برطرف نہیں کیا گیا' یہ ہمارے یہاں کا انصاف ہے۔ ان تمام ناانصافیوں' کھلی ہوئی

دھاندلیوں اور کھلی ہوئی بربریت کو دیکھ کر ایک پاکستانی کیا سوچنے پر مجبور ہوگا۔ وہ سوچے گا کہ ہم کون ہیں' ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جارہا ہے!

آج لوگ کہتے ہیں کہ یہ مہاجر تنظیم کیوں وجود میں آئی ہے اور مہاجروں کو کیا مسئلہ درپیش ہے۔ =میں اپنے تمام پاکستانی بھائیوں سے سوال کرتا ہوں۔ کہ علی گڑھ اور قصبہ کالونی میں علی الصبح مسجدوں سے لاؤڈ سپیکروں پر اعلان کر کے حملہ کیا گیا اور چھ گھنٹے تک شرمناک بربریت کا مظاہرہ کیا جاتا رہا۔ اس تمام عرصہ انتظامیہ کہاں تھی' قانون نافذ کرنے والے ادارے کہاں تھے؟ عوام کے جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار کہاں تھے؟ وہ واقعہ بھی سب کو یاد ہوگا کہ نارتھ ناظم آباد میں ڈاکوؤں کی گرفتاری کے نام پر منٹوں میں کراچی بھر کی پولیس جمع ہوگئی لیکن قصبہ کالونی اور علی گڑھ کالونی میں چھ گھنٹے تک علی الاعلان ہلا کو اور چنگیز کی روایات دہرائی جاتی رہیں اس وقت انتظامیہ کہاں تھی ۔ وہ اتنی دیر تک خاموش تماشائی کیوں بنی رہی۔ علی گڑھ اور قصبہ کالونی کے بے گناہ شہیدوں کے کسی ایک بھی قاتل کو آج تک کیوں گرفتار نہیں کیا گیا؟ کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ متعصبانہ سلوک کی دلیل نہیں ہے؟ ہمیں کوئی ایک مثال بھی دے دی جائے کہ ایم۔ کیو۔ ایم نے کسی کی بستی پر اس قسم کا حملہ کیا ہو۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ڈرگ مافیا اور استحصالی ٹولے کی ان کارروائیوں کی مذمت کی بجائے انہیں بالکل دوسرا رنگ دے دیا گیا۔ ظالموں کے ظلم پر اور قاتلوں کے گھناؤنے جرم پر پردے ڈالنے کے لئے اس طرح کی باتیں کی جانے لگیں کہ "ہمیں کیا ہوگیا ہے' پاکستانی آپس میں لڑ رہے ہیں' بھائی بھائی کا خون کر رہا ہے' مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے" میں یہ پوچھتا ہوں کہ علی گڑھ اور قصبہ کالونی میں ہونے والی بربریت اور چنگیزی مظالم ڈھانے والے سفاک مجرموں کو بھائی کہنا یا مسلمان کہنا کہاں تک درست ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ سانحہ پاکستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا بدترین اور المناک ترین واقعہ تھا۔ کوئی مسلمان کس طرح دوسرے متعدد نہتے مسلمانوں پر کلاشن کوف اور اسٹین گنوں کے برسٹ مار سکتا ہے۔ وہ کیسے مسلمان تھے جنھوں نے معصوم اور شیر خوار بچوں کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر آگ میں جھونک دیا' انہیں زندہ جلا دیا۔ کیا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ اس قسم کا وحشیانہ سلوک کر سکتا ہے۔ ان حالات کو بھائی بھائی کا جھگڑا قرار دینے اور امن مارچ کرنے سے کیا ان مظالم کا تدارک ہوگیا۔ کیا ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ ان حالات کو مخصوص انداز میں پیش کرنے کا مطلب یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ دو فریقوں کا جھگڑا ہے' جب کہ اگر ہم کسی کے خلاف ہوتے تو اپنی اس طویل جدوجہد میں کسی ایک بستی پر تو حملہ کرتے لیکن ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا کیونکہ ہماری جدوجہد کسی پٹھان یا پنجابی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اپنے حقوق کے لئے ہے۔ ہم اپنے غصب شدہ حقوق حاصل کرنا

چاہتے ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے دانشوروں نے اپنی ماہرانہ دانشوری کے جوجوہر دکھائے وہ بھی مہاجروں ہی کے خلاف نکلے۔ ان کا قلم اٹھا تو وہ بھی مہاجروں کے خلاف ہی اٹھا' افسوس صد افسوس!

شاہ فیصل کالونی پر بھی علی الاعلان حملہ ہوا اس وقت وہاں پر پولیس کے ۳۲ ٹرک موجود تھے۔ پولیس کے سامنے وہ حملہ ہوا لیکن پولیس نے کسی ایک حملہ آور کو بھی گرفتار نہیں کیا۔ اب یہ بات سارے پاکستانیوں کو سوچنا چاہئے کہ علی گڑھ کالونی' قصبہ کالونی' اورنگی ٹاؤن اور شاہ فیصل کالونی پر حملہ آوروں میں سے کسی ایک حملہ آور کو بھی کیوں گرفتار نہیں کیا گیا۔ یہ بات بھی سارے پاکستانیوں کے سوچنے کی ہے کہ آیا ایم۔ کیو۔ ایم فساد کرانا چاہتی ہے' یا فساد کراتی ہے' یا ایم۔ کیو۔ ایم کو "کرش" کرنے کے لئے ایک سازش کے تحت استحصالی ٹولہ' ڈرگ مافیا اور بیوروکریسی کے ساتھ مل کر ایم۔ کیو۔ ایم کے خلاف' مہاجروں کے خلاف یہ شرانگیزیاں کر رہا ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے شہیدوں کا خون اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔ ہمارے جو ساتھی گولیاں لگنے سے معذور ہو گئے ہیں' کسی کی ٹانگ کٹی ہے' کسی کا ہاتھ کٹا ہے' ان کی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا۔ میرے جتنے بھی ساتھی اور مہاجر کارکن عوام محنت کر رہے تھے خدا نے ان کی کوششوں کو بار آور کیا۔ ہمارے خلاف جو سازش تیار کی گئی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ناکام ہوئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دیتا ہے اور جھوٹ کو دباتا ہے۔

اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو اتنے ظلم و ستم اتنے مخالفانہ پروپیگنڈہ اور اتنی سختی کے باوجود ہمیں بلدیاتی انتخابات میں عظیم الشان کامیابی حاصل نہ ہوتی خدا نے ہماری مدد کی' تمام عہدیدار' تمام یونٹ اور تمام کارکن ثابت قدم رہے۔ اس کٹھن وقت میں ایک آدمی بھی تنظیم چھوڑ کر نہیں بھاگا' یہ بھی صرف ایم۔ کیو۔ ایم ہی کا ریکارڈ ہے' پاکستان کی کوئی بھی سیاسی جماعت اپنا یہ ریکارڈ ثابت نہیں کر سکتی کہ مشکل وقت میں اس کا ایک آدمی بھی ساتھ چھوڑ کر نہ گیا ہو' لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمارے تمام ساتھی اس امتحان میں پورے اترے اور کوئی ایک کارکن بھی تحریک سے علیحدہ نہیں ہوا۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ایم۔ کیو۔ ایم سے وابستہ سوفی صد لوگ مخلص اور بے لوث ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں' ان کا مقصد سچا ہے۔

بلدیاتی انتخابات میں کامیابی

یہ بلدیاتی انتخابات سندھ کے شہری علاقوں میں ایک طرح کا ریفرنڈم بھی ثابت ہوئے جس میں مہاجر عوام نے ایم کیو ایم کو Mandate دیا ہے' "حق پرست" امیدواروں کو کامیاب کرا کے ایم کیو ایم پر اپنے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ کچھ سیاسی جماعتیں ہمارے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتی تھیں کہ ایم کیو ایم

غیر سنجیدہ نوجوانوں کی تنظیم ہے لیکن بلدیاتی انتخابات میں دوسرے تمام لوگوں کی طرح ان جماعتوں نے بھی یہ دیکھ لیا کہ توتے' توتے سالہ بوڑھے مردوں اور عورتوں نے طویل قطاروں میں لگ کر ایم کیو ایم کو ووٹ دیا۔ اب کوئی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ایم کیو ایم غیر سنجیدہ نوجوانوں کی تنظیم ہے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایم کیو ایم ہر مہاجر ماں' باپ' بہن اور بھائی کے دل کی دھڑکن ہے حتیٰ کہ معصوم مہاجر بچوں کے بھی دل کی دھڑکن ہے۔ اب چھوٹے چھوٹے معصوم بچے گلی کوچوں میں "جیئے مہاجر" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی تائید اور اس کی مدد ہمیں حاصل ہے اور ہم حق پر تھے اور حق پر ہیں۔

کراچی میں امن وامان کی صورتحال

کچھ عرصہ قبل اورنگی میں ایک شخص کے گھر پر چھاپہ مار کر کچھ ساز و سامان برآمد کیا گیا اور اخباروں میں بڑی بڑی تصویریں اور بڑی بڑی سرخیاں شائع کرادی گئیں کہ اورنگی میں چھاپہ مار کر بم تیار کرنے کی فیکٹری کا پتہ چلا لیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ جب پولیس نے چھاپہ مارا تو وہاں پراٹھے پکائے جارہے تھے۔ ذرا غور کریں کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ اسلحہ ساز فیکٹری میں پراٹھے پکائے جارہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک غریب شخص کے گھر پر چھاپہ مارا گیا تھا اور اس کی بیوی صبح کے ناشتے کے لئے پراٹھے پکا رہی تھی۔ میں کیا کیا بیان کروں۔ ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی ہے۔ شاہ فیصل کالونی میں پولیس کی موجودگی میں مہاجر بستیوں میں آگ لگائی گئی' دکانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ پولیس نے تخریب کاروں کو نہیں پکڑا لیکن جب مہاجر اپنے دفاع کے لئے میدان میں آتے ہیں تو پولیس بھی انہی پر اپنے نشانہ کی درستی کا امتحان لیتی ہے۔ پولیس نے اب یہ ایک ریت بنالی ہے۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہ دو فریقوں کی لڑائی ہے۔ یہ دو فریقوں کی لڑائی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک حملہ کرنے والا دوسرا حملے کا شکار ہے۔ جس پر حملہ ہو رہا ہے اگر وہ اپنے دفاع کی کوشش کرتا ہے تو اسے بھی گرفتار کر لیا جاتا ہے' یہ کہاں کا انصاف ہے؟ قاتل اور مقتول کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا کوئی انصاف نہیں ہے۔ یہ ظلم آج بھی روا ہے۔

ڈرگ مافیا کا کردار

کراچی میں امن وامان کو خراب کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری ڈرگ مافیا پر عائد ہوتی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے مختلف مفادات ہیں' ان میں سے کچھ کے مفادات ڈرگ مافیا سے بھی وابستہ

ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ کراچی میں بدامنی اور بے چینی رہے تاکہ ڈرگ مافیا اپنی من مانی کرتے رہیں۔ اگر انتظامیہ اور پیرو کرسی ڈرگ مافیا کے خلاف کارروائی کرنا چاہتی تو انگریزی اخبار (Daily News) "ڈیلی نیوز" نے کراچی میں منشیات کے اڈوں کے مکمل کوائف یعنی ان کا پتہ اور اڈے چلانے والوں کے نام شائع کئے تھے اور یہ تک لکھا تھا کہ کون سا اڈہ کس تھانہ کی حدود میں شامل ہے۔ لیکن آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ان اڈوں کے خلاف کیا کارروائی کی گئی۔ اگر اسی طرح ڈرگ مافیا کو چھوٹ دی جاتی رہی' اگر اسی طرح پولیس فریق بنی رہی اور عوام اور نہتے شہریوں پر ظلم کرتی رہی تو اس شہر کا امن و سکون اسی طرح تباہ ہوتا رہے گا۔

میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حق پرستوں کی کامیابی کے بعد میں نے کراچی سنٹرل جیل سے یہ بیان جاری کیا تھا کہ آج ہم تمام اگلی پچھلی باتوں کو درگذر کرتے ہیں اور میں تمام حق پرست کونسلروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ آج کے بعد یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ وہ صرف مہاجروں ہی کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ ان کے علاقوں میں جو پنجابی' پٹھان اور دوسرے بھائی رہتے ہیں ان کی بھی بلا امتیاز اسی طرح خدمت کریں جس طرح وہ مہاجروں کی خدمت کریں گے۔ رہا ہونے کے بعد میں نے کراچی پریس کلب کے "میٹ دی پریس" پروگرام میں جو باتیں کہیں افسوس کہ ان باتوں کا مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ میں نے کہا تھا کہ ہم اپنی بستیوں میں رہنے والے پنجابیوں اور پٹھانوں کی بھی اسی طرح خدمت کریں گے جس طرح مہاجروں کی کریں گے۔ لیکن کچھ مذہبی جماعتوں نے ہمارے خلاف اس قسم کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا جس کا مقصد پنجاب اور سرحد کے عوام میں ایم کیو ایم اور الطاف حسین کے خلاف نفرت پھیلانا تھا۔ دوسری طرف جب خان عبدالولی خان یہاں آئے تو ان کو فوراً واپس بھیج دیا گیا تاکہ وہ ہم سے صحیح طرح بیٹھ کر تفصیلی بات چیت نہ کر سکیں جبکہ ہم چاہتے تھے کہ ولی خان جو پختونوں کے متفقہ رہنما ہیں' ہم سے گفت و شنید کریں لیکن نہ جانے حکومت کو یہ بات کیوں منظور نہیں تھی۔ اسی طرح سے ہم نے کہا کہ ہم معزز اور محب وطن پنجابیوں سے بھی بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہم ڈرگ مافیا کے کسی آدمی سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں خواہ وہ مہاجر ہی کیوں نہ ہو۔

جیل کے تجربات

میں اب تک تین بار گرفتار ہوا ہوں۔ پہلی بار مجھے ۱۴ اگست ۱۹۷۹ء کو مزار قائداعظم پر مہاجرین مشرقی پاکستان کو پاکستان لانے کے لئے مظاہرہ کرنے پر گرفتار کیا گیا اور مجھ پر طرح طرح کے مقدمات قائم کر کے مارشل لاء عدالت سے نو ماہ قید بامشقت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنائی گئی اس وقت میں آل

پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (اے۔ پی۔ ایم۔ ایس او) کا چیئرمین تھا۔ اس وقت بھی میں نے حکومت کی کسی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور پورے نو ماہ کی قید بامشقت بھگتی۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۹ء کو ہم مظاہرہ کرنے کے بعد اپنا پرامن جلوس لے کر کیپری سینما پر پہنچے تھے کہ ہمیں چاروں طرف سے فرنٹیئر کانسٹیبلری نے گھیر لیا گرفتار کر کے پولیس کی بڑی وین میں پھینکے جانے سے قبل مجھ پر اتنے ڈنڈے برسائے گئے کہ مجھے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اب میرے جسم کے کس حصہ پر ڈنڈا پڑا ہے اچھی طرح پٹائی کرنے کے بعد مجھے گاڑی میں پھینکا گیا۔ کیپری سینما سے سولجر بازار تھانہ کا راستہ بمشکل پانچ منٹ کا ہے لیکن ایک گھنٹہ تک گاڑی نہ جانے کہاں کہاں کے چکر کاٹتی رہی اور اس پورے عرصہ گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرنٹیئر کانسٹیبلری کے جوان، جن کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے میری پٹائی کرتے رہے۔ جب ہمیں سولجر بازار تھانہ میں لاک اپ کیا گیا۔ تو نہ کچھ کھانے کے لئے دیا گیا نہ پینے کے لئے۔

میرے ساتھ آفاق شاہد، حسیب ہاشمی اور بہت سے دوسرے لوگ گرفتار ہوئے تھے۔ ہم لوگوں کو لاک اپ میں کچھا کچھ بھر دیا گیا۔ لیٹنا تو درکنار، ہم وہاں صحیح طرح سے ٹانگ بھی نہیں پھیلا سکتے تھے بلکہ صحیح طور پر بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لیٹرین ابل رہا تھا اس میں سے کیڑے نکل نکل کر کمرے میں آرہے تھے۔ وہاں ٹاٹ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ ہم اسی سے کیڑوں کو سمیٹ کر لیٹرین میں واپس بھیجنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہم نے پورے تین دن اسی عالم میں سولجر بازار تھانہ کے لاک اپ میں گزارے۔ جب تھانہ پہنچ کر ہمیں گاڑی سے نیچے گرایا گیا تو میرے جسم کے ہر حصہ سے اذیت ناک ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ سر کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں ڈنڈا لگنے سے گومڑ نہ پڑا ہو۔ لاک اپ میں آکر معلوم ہوا کہ جسم کا کوئی بھی ایسا حصہ باقی نہیں بچا ہے جہاں نیل نہ پڑے ہوں۔ بہرحال کوئی بھی تحریک چلانے کے لئے یہ بہت معمولی سی باتیں ہیں، ایسی بہت سی باتوں کو خوش دلی سے سہنا پڑتا ہے۔ گرفتار کرنے کے بعد پولیس والوں نے جس بے دردی کے ساتھ میری پٹائی کی تھی اس کے نتیجے میں گردہ کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔

تین دن بعد ہمیں رسیوں سے باندھ کر جیل لے جایا گیا اور وہاں ہمیں جیل کی بدترین بیرک میں، جو عرف عام میں "کیراٹن" کے نام سے مشہور ہے، بند کیا گیا۔ وہاں نہ کوئی چیز بچھانے کے لئے تھی، نہ اوڑھنے کے لئے کوئی کمبل تھا۔ تین دن کے جاگے ہوئے تھے، تھکن سے چور تھے لیکن اس کے باوجود لیٹ نہیں سکتے تھے کیونکہ بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور پیٹھ میں زخم ہو گئے تھے۔ بیٹھتے ہوئے بھی تکلیف محسوس ہوتی تھی لیکن اس قدر نڈھال تھے کہ جیسے تیسے خود کو اس کوٹھڑی کے ننگے فرش پر گرا دیا لیکن تکلیف کی وجہ سے سر زمین پر نہیں رکھا جاتا تھا چنانچہ اپنے جوتے اتارے اور تکیہ سمجھ کر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے۔ اس طرح ہم نے رات گزاری۔

صبح جب آنکھ کھلی تو بدن میں شدید درد تھا اور چائے کی انتہائی خواہش محسوس ہو رہی تھی۔ کیرائن کا جو منشی تھا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اور وہ ہر سوال کا جواب صرف ڈنڈے کی زبان سے دیتا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا کہ سامنے چائے بٹ رہی ہے۔ وہیں بیٹھے ہوئے ایک شخص کے پاس پلاسٹک کا ٹوٹا ہوا کپ تھا' اس سے درخواست کر کے وہ کپ حاصل کیا اور اس میں چائے لی۔ پہلا گھونٹ جو بھرا تو بڑی حیرت ہوئی کہ جیل میں نمکین چائے ملتی ہے۔ دوسرا گھونٹ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ چائے نہیں بلکہ دال تھی۔ گویا جیل میں دال اس قدر پتلی ہوتی ہے کہ ہم نے پہلے اسے چائے سمجھ لیا تھا۔ بعد میں ہمیں جرائم پیشہ مجرموں کی عام بیرک میں جسے "چکر" کہتے ہیں' رکھا گیا اور ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد سیاسی قیدیوں کی بیرک نمبر ۲/۵ میں بھیجا گیا۔ حالانکہ ہمیں پہلے ہی دن وہاں بھیجا جانا چاہئے تھا لیکن میں خوش ہوں کہ مجھے ایسی جگہ جانے کا موقع ملا جس سے میں "کیرائن" اور "چکر" میں رہنے والے قیدیوں کے مسائل اور مشکلات سے بھی آگاہ ہو سکا۔ "چکر" جیل کا وہ علاقہ ہے جہاں زیر سماعت قیدی رکھے جاتے ہیں۔ چکر میں رہنے کے دوران مجھے مختلف قیدیوں سے ان کے حالات جاننے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ کس کس طرح لوگوں کو جیل پہنچا دیا جاتا ہے اور اگر کوئی جرم بھی کرتا ہے تو وہ اس پر کیوں مجبور ہوتا ہے اس کے ساتھ کیا مجبوریاں ہوتی ہیں۔

مارشل لاء عدالت سے سزا

۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ۹ ماہ قید بامشقت اور پانچ کوڑوں کی سزا سنائی گئی تھی۔ میں نے قید کی پوری سزا بھگتی۔ فوجی عدالت کے اس فیصلہ کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا تھا۔ ہائی کورٹ نے سزا تو برقرار رکھی لیکن کوڑوں کی سزا پر عملدرآمد روک دیا گیا تھا۔ تاہم جب جیل میں کسی کو کوڑے لگائے جاتے تھے تو میں دور سے وہ منظر دیکھا کرتا تھا اور خود کو بھی اس سزا کے لئے ذہنی طور پر تیار کرتا تھا کہ اگر مجھے بھی یہ سزا دی جائے تو میں پہلے سے اس کے لئے تیار ہوں۔

دوسری مرتبہ گرفتاری

دوسری بار ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو حیدر آباد کے جلسہ عام سے خطبہ کے راستہ کراچی واپس آتے ہوئے مجھے کراچی پولیس نے گرفتار کیا۔ اس وقت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی ایسٹ اشفاق میمن' ایس۔ ایس۔ پی ایسٹ الطاف علی خان' ایس۔ ڈی۔ ایم۔ (جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں آ رہا)

اور ایس۔ ایچ۔ او تجمل حسین کے علاوہ پولیس کی بھاری نفری وہاں موجود تھی۔ گھگر پھاٹک سے پہلے ہمیں غالباً کھوکھراپار تھانہ یا کسی اور تھانہ لے جایا گیا۔ اس کے بعد پھر کالا بورڈ تھانہ پہنچادیا گیا۔ پہلے تو ہمارے ساتھ ان کا رویہ ٹھیک تھا لیکن تھانہ کے لاک اپ میں جانے کے بعد وہی صورت حال درپیش تھی۔ لیٹرین بھرا ہوا تھا، اس کا پانی ابل ابل کر باہر آ رہا تھا، بدبو کی وجہ سے تمام ساتھی بیمار ہو گئے تھے۔ دو روز بعد کچھ لوگ آئے اور مجھے اور میرے ساتھی کو باہر نکال کر گاڑی میں بٹھادیا گیا۔ گاڑی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوگئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ مجھے بلدیہ ٹاؤن میں واقع سی۔ آئی۔ اے کے تفتیشی سیل میں لے جایا گیا تھا۔ ہمیں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں بند کر کے اوپر اور نیچے ہم پر انٹیل بردار لوگ تعینات کر دیئے گئے جن کی رائفلوں کی پوزیشن ہماری طرف تھیں۔ وہاں میرے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا۔ جیسے میں کوئی بہت بڑا تخریب کار یا Terrorist ہوں۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا یہ میرا اپنا ملک ہے' کیا یہ میرے اپنے ملک کے لوگ ہیں' یہ لوگ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں' میں نے کیا جرم کیا ہے۔ میرا قصور کیا ہے.....! یہ تمام سوالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ پھر میں خود ہی ان سوالوں کا جواب دے لیتا تھا کہ چونکہ یہ تحریک غریبوں کی جانب سے اٹھی ہے' استحصالی طبقہ کسی بھی صورت میں اس تحریک کو کامیاب ہوتے نہیں دیکھے گا۔ مہاجروں کے ساتھ پچھلے چالیس سال سے ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں اور جو لوگ انہیں ان کے حقوق سے محروم کئے ہوئے ہیں وہ کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ مہاجروں کو ان کے سلب شدہ حقوق واپس مل سکیں۔ چنانچہ وہ تمہارے ساتھ لازمی طور پر یہی سلوک کریں گے اور تمہیں یہ سب اذیتیں برداشت کرنا ہوں گی۔ بعد میں مجھے اس سیل سے نکال کر ایک ایسے کمرہ میں بند کیا گیا جو مٹی اور ریت سے اٹا ہوا تھا اور وہاں اتنے مچھر بھرے ہوئے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی ایک کمرے میں اس قدر مچھر نہیں دیکھے۔ وہاں مجھے دری کا ایک ایسا ٹکڑا لاکر دیا گیا جو غلاظت سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے اس کو بڑی دیر تک جھٹک کر اور جھاڑ کر ہاتھوں سے صاف کیا اور زمین پر بچھایا۔

میں تین راتوں سے تو لاک اپ میں جاگ رہا تھا۔ اس سے قبل تین راتوں سے میں حیدر آباد میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے جلسہ کی تیاریوں کے سلسلے میں قطعی سو نہیں سکا تھا۔ اس طرح مجھے جاگتے ہوئے چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ دری کا ٹکڑا زمین پر بچھا کر میں جیسے ہی اس پر بیٹھا ویسے ہی مجھے حکم دیا گیا کہ تم بیٹھو گے نہیں بلکہ مسلسل چکر لگاتے رہو۔ سی۔ آئی۔ اے سیل کی اس کوٹھڑی میں سات دن تک مجھ سے مسلسل چکر لگوائے گئے۔ میں دن رات چکر لگاتا رہتا تھا۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی زمین پر بیٹھنے تک نہیں دیا گیا۔ چل چل کر میرے پیر سوج گئے، گردہ کی تکلیف میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ میں ان سے درخواست کرتا تھا کہ آپ مجھ پر یہ ظلم کیوں کر رہے ہیں لیکن وہاں کوئی بھی میری فریاد سننے والا نہیں تھا۔ مختلف

ایجنسیوں کے افسران وہاں آتے تھے اور وقفہ وقفہ سے مجھے باہر نکالا کرتے تھے۔ اور کبھی نرم لہجہ سے اور کبھی مغلظات اور فحش گالیوں کے ساتھ گفتگو کرتے تھے' جو الفاظ اور جو زبان وہ استعمال کرتے تھے اسے دہرانے سے میں قطعی طور پر قاصر ہوں۔ مجھے سگریٹ تک نہیں دیا جاتا تھا اور صرف جس وقت مجھے انٹیروگیشن کے لئے لے جایا جاتا تھا اس وقت سگریٹ ملتا تھا۔ شاید وہ اس طرح یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ میں کوئی اور نشہ تو نہیں کرتا ہوں۔

سات دن اسی اذیت میں گزر گئے۔ آخر چکر لگاتے بیٹھے ساتویں روز میں بے ہوش کر گر گیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں نے سوچا کہ شاید اب یہ لوگ مجھ پر کچھ رحم کریں گے مگر ان لوگوں نے مجھے دوبارہ چکر لگانے کا حکم دیا۔ میں نے کہا کہ میں اب چکر نہیں لگا سکتا لیکن انہوں نے مجھے مجبور کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چکر لگاتے لگاتے کچھ ہی دیر بعد میں پھر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ تین بار ایسا ہوا۔ آخر کار میں نے وہاں موجود سپاہی سے کہا کہ تم اپنے افسر کو بلاؤ میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ سمجھے کہ شاید الطاف حسین اب نرم پڑ گیا ہے اور جو بے ہودہ قسم کے سوالات وہ مجھ سے کر رہے تھے اور زبردستی جو من گھڑت باتیں مجھ سے کہلوانا چاہتے تھے' میں وہ کہنے پر رضامند ہو گیا ہوں چنانچہ انہوں نے خوشی خوشی اپنے افسر کو بلایا وہ آئے اور کہنے لگے "ہاں بھئی کیا حال ہے" میں نے کہا حال جو کچھ ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ کہنے لگے "پھر اب سچ سچ بتا دو" میں نے کہا سچ تو یہ ہے کہ اگر تم مجھے مزید اذیت دینا چاہتے ہو تو اس سے بہتر ہے کہ مجھے گولی مار دو' کیونکہ سچ تو جو کچھ تھا وہ میں بتا چکا ہوں۔ لیکن اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو تم میرے بارے میں دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کر لو یا تم مجھ سے زبردستی ہی اپنی مرضی کی کوئی بات اگلوانا چاہتے ہو تو مجھ سے سادہ کاغذ پر دستخط لے لو۔ مسلسل تیرہ دن جاگتے ہوئے اور سات دن چکر لگاتے ہوئے گزر گئے تھے۔ ذہن کی جو حالت اور جسم کی جو کیفیت تھی اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ذہن ہے ہی نہیں' جیسے کسی نے اوپر سے بالکل کاٹ دیا ہو۔

جیل کے اندر تفتیش

تفتیشی سیل میں مجھ سے عام طور پر اس قسم کے سوالات کئے جاتے تھے۔ "تمہیں کہاں سے سپورٹ ملتی ہے؟" "تمہیں کون مدد دیتا ہے؟" "نشتر پارک کے جلسہ میں تم نے کتنی رقم خرچ کی' وہ رقم کہاں سے آئی؟" "تم اپنی تحریک کہاں سے چلاتے ہو؟" وغیرہ وغیرہ لیکن ان سوالوں کے جواب میں جو حقیقت تھی میں وہ بیان کرتا تھا مگر انہیں اس پر یقین ہی نہیں آتا تھا۔ میں انہیں کہتا تھا کہ ہم تو گلی کوچوں میں چندہ جمع کر کے اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایم۔ کیو۔ ایم جس طرح گلی کوچوں میں

چندہ جمع کرتی ہے اس طرح پاکستان کی کوئی سیاسی یا مذہبی جماعت چندہ جمع کر کے اپنی تحریک نہیں چلاتی اس لئے وہ اس پر یقین ہی نہیں کرتے تھے۔ میری بات مانتے ہی نہیں تھے۔

بالآخر ساتویں دن جب ان کے افسر سے میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو حقیقت تھی وہ میں بتا چکا ہوں اور اب میں انتہائی تکلیف میں ہوں' میں یہ اذیت مزید برداشت نہیں کر سکتا' بہتر ہے کہ تم مجھے گولی مار دو' تب انہوں نے باہم مشورہ کے بعد مجھ پر یہ مہربانی کی کہ آٹھویں روز مجھے لیٹنے کی اجازت دے دی۔ تیرہ دن کی مسلسل جگار کے بعد جب میں لیٹا تو مجھے ہوش ہی نہ رہا۔ حالانکہ اس کمرہ میں بے پناہ مچھر تھے اور اس قدر تھے کہ جب صبح میری آنکھ کھلی تو وہ بھی مچھروں ہی کی بھن بھن سے' میں نے دیکھا کہ میرے جسم پر ہزاروں مچھر چمٹے ہوئے میرا خون چوس رہے تھے۔ میں اس قدر اعصابی تھکن کا شکار تھا کہ رات بھر مجھے مچھروں کے کاٹنے کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ دوسرے روز میں نے ان سے درخواست کی کہ یہاں مچھر بہت ہیں' مجھے کوائل دے دو لیکن انہوں نے آخر دن تک مجھے کوائل نہیں دیا۔ میں نے سولہ روز تک سی۔ آئی۔ اے کے اس سیل کے مزے چکھے۔

دوران قید پارٹی کے کسی عہدیدار یا وکیل کو تو درکنار" میرے کسی گھر والے کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ کسی کو مجھ سے نہیں ملنے دیا گیا۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ بھئی مجھے اپنے گھر سے پیسے منگوانے دیں تاکہ میں اپنے لئے سگریٹ اور دوسری چیزوں کا بندوبست کر سکوں۔ لیکن مجھے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ بہرحال سولہ روز کے بعد مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

تیسری بار جیل جانا

۳۰ اگست ۱۹۸۷ء کو میں نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری پیش کی تھی جو میری تیسری گرفتاری تھی۔ صورت حال یہ تھی کہ مہاجروں کے گھروں پر پولیس چھاپے مار رہی تھی۔ کارکنوں کو گرفتار کر کے ان پر ظلم کیا جا رہا تھا۔ جو کارکن ہاتھ نہیں آئے تھے ان کے گھر والوں اور بزرگوں کی بے عزتی کی جا رہی تھی اور انہیں گرفتار کیا جا رہا تھا' چنانچہ کمشنر کراچی اور ڈی۔ سی سنٹرل کی اس یقین دہانی پر میں نے گرفتاری پیش کر دی تھی کہ مہاجروں کو جو ہراساں کیا جا رہا ہے اور ان پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ بند کر دیا جائے گا اور ہمیں فوری طور پر جیل منتقل کر دیا جائے گا۔ میں نے مہاجر قوم کی خاطر گرفتاری پیش کی تھی لیکن حکام نے وعدہ خلافی کی اور ہمیں جیل بھیجنے کے بجائے جیکسن تھانہ کیماڑی لے جایا گیا اور لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ اس لاک اپ کی بھی وہی صورت حال تھی جو دوسرے تھانوں میں ہوتی ہے۔ مجھے نہ کوئی چارپائی دی گئی اور نہ کوئی چٹائی بہرحال عام مجرموں جیسا سلوک تھا۔ میں نے یہ سوچ کر ایس۔ ایچ۔ او سے کوئی بات نہیں کی کہ اسے یقیناً اسی قسم کی ہدایات دی گئی ہوں گی۔ میری طبیعت بھی خراب تھی اگر حکام

چاہتے تو مجھے کسی بہتر کمرہ یا کسی ریسٹ ہاؤس میں بھی رکھ سکتے تھے۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جیکسن تھانہ کے جس لاک اپ میں مجھے رکھا گیا تھا وہ انتہائی مخدوش تھا اور اس کے تین طرف سڑک تھی۔ دوسرے روز اچانک میں نے دیکھا کہ اس کوٹھڑی کے دائیں طرف اور بائیں طرف دیواریں اٹھائی جارہی ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ اچانک یہ دیواریں کیوں کھڑی کی جارہی ہیں۔ بعد میں مجھے اپنے ذرائع سے اطلاع ملی کہ اس لاک اپ میں مجھ پر قاتلانہ حملہ کا منصوبہ بن چکا تھا لیکن خدا کے فضل اور مہاجر عوام کی دعاؤں سے میں محفوظ رہا۔

تیسرے روز مجھے جیل منتقل کر دیا گیا اور "سی" کلاس دی گئی۔ بعد میں جب عدالت میں میرے وکیل نے مطالبہ کیا کہ مجھے میری تعلیمی استعداد کے مطابق کلاس دی جائے تو عدالت نے مجھے جیل میں "بی" کلاس دینے کا حکم دیا تب مجھے چارپائی دی گئی۔

البتہ اس بار کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔ بس یہ تھا کہ حکومت کے مختلف نمائندے بات چیت کرنے کے لئے بار بار مختلف نکات لے کر آتے تھے۔ جو مجھے منظور نہیں تھے اور میں آخر وقت تک ان سے انکار کرتا رہا۔ حکومت کی طرف سے مجھے بار بار یہ پیشکش کی گئی کہ آپ ضمانت پر رہا ہو جائیں اور باقی لوگوں کو بعد میں رہا کر دیا جائے گا لیکن میں نے واضح طور پر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور قطعی طور پر یہ کہا کہ جب تک ایک ایک مہاجر کو رہا نہیں کر دیا جائے گا اور تمام مقدمات واپس نہیں لئے جائیں گے میں رہائی قبول نہیں کروں گا۔

جی۔ ایم سید سے میری پہلی ملاقات

سائیں جی۔ ایم۔ سید سے میری پہلی ملاقات دسمبر ۱۹۸۵ء میں ہوئی تھی جب وہ اپنی ٹانگ کے آپریشن کے سلسلے میں کراچی کے جناح اسپتال میں داخل تھے۔ ۵ دسمبر ۱۹۸۵ء کو میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تو اسپتال سے سید صاحب کا تعزیت نامہ مجھے موصول ہوا' میرا فرض بنتا تھا کہ میں اسپتال جا کر نہ صرف ان کا شکریہ ادا کروں بلکہ ان کی عیادت بھی کروں چنانچہ میں ان کی عیادت کرنے جناح اسپتال گیا اور یہی میری ان سے زندگی کی پہلی ملاقات تھی۔

ایم۔ کیو۔ ایم تحریک میں جی۔ ایم سید کا عمل دخل

دسمبر ۱۹۸۵ء کے آخر میں یعنی ۱۹۸۶ء شروع ہونے سے کچھ ہی دن پہلے سائیں جی۔ ایم۔ سید سے میری پہلی ملاقات ہوئی جب کہ میں ۱۱ جون ۱۹۷۸ء کو اس تحریک کا آغاز علانیہ کر چکا تھا۔ اس تحریک

کے لئے میں نے کام تو ۱۹۷۷ء میں نظام مصطفیٰ کی تحریک کے دوران ہی شروع کر دیا تھا۔ جب سائیں جی۔ ایم۔ سید سے میری پہلی ملاقات ہی تقریباً ۱۹۸۶ء میں ہو رہی ہے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ترغیب پر میں نے اس تحریک کا آغاز کیا جو ۱۹۷۸ء میں شروع ہو چکی تھی۔ یہ الزام ہمارے مخالفین کے گھسیانے پن کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ایک مخصوص مذہبی جماعت نے اس بات کا بہت پروپیگنڈہ کیا ہے تاکہ مہاجر عوام میں الطاف حسین کے خلاف نفرت پیدا کی جائے اور یہ تاثر دیا جائے کہ ایم۔ کیو۔ ایم اور جئے سندھ تحریک ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ہمارے مخالفین کی ایک سازش تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ تمام مہاجر جانتے ہیں کہ الطاف حسین ان کے حقوق کی جدوجہد کر رہا ہے اور وہ دبنے والا' جھکنے والا یا بکنے والا نہیں ہے۔ انہوں نے میری دس سالہ جدوجہد کے دوران میرا عمل دیکھا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مہاجر عوام آج میرے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

جئے سندھ تحریک سے ایم۔ کیو۔ ایم کا کوئی تحریری معاہدہ نہ کل ہوا تھا نہ آج ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک سندھ کے حقوق کی بات ہے' تو میں سندھ کے تمام مظلوم سندھیوں کے حقوق کی جدوجہد کی کل بھی غیر مشروط حمایت کرتا تھا اور آج بھی غیر مشروط حمایت کرتا ہوں۔ ایم۔ کیو۔ ایم وہ واحد تنظیم ہے جو صرف مہاجروں کے حقوق کی بات نہیں کر رہی بلکہ سندھ میں مظلوم سندھیوں کے حقوق کی بھی برابر آواز اٹھا رہی ہے اور عملی جدوجہد کر رہی ہے لیکن جئے سندھ تحریک سے ہمارا کوئی Collaboration نہیں ہے یا تحریری معاہدہ نہیں ہے۔ جئے سندھ تحریک سندھیوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ ہم پاکستان کی جغرافیائی حدود میں رہتے ہوئے اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں یہ ضرور کہوں گا کہ جئے سندھ تحریک کو ملک دشمن کہہ کر یا سائیں جی۔ ایم۔ سید کو غدار یا ملک دشمن کہہ کر یا ان کے خلاف بیانات دے کر یا شور اور واویلا مچا کر ہم ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

جی۔ ایم سید

محب وطن پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ آج سائیں جی۔ ایم۔ سید سندھو دیش کا نعرہ کیوں لگا رہے ہیں' کیا یہ وہی جی۔ ایم۔ سید نہیں ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے سندھ اسمبلی میں پاکستان کی قرارداد پیش کی اور اسے منظور کرایا۔ سندھ میں مسلم لیگ کو آرگنائز کیا اس کے لئے کام کیا۔ ہم سائیں جی۔ ایم۔ سید کی ان خدمات کو حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ انصاف ہے؟ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ جو شخص کل پاکستان کی قرارداد پیش کر رہا تھا' جس نے کل مسلم

لیگ کے لئے دن رات جدوجہد کی جس نے کل پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیا وہ آج سندھو دیش کا نعرہ کیوں لگا رہا ہے۔ ہمیں ان اسباب پر غور کرنا چاہئے۔ میں حکومت پاکستان سے اور پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں سے کہتا ہوں' اپیل کرتا ہوں کہ وہ جی۔ ایم۔ سید کے ساتھ شیخ مجیب الرحمٰن جیسا سلوک نہ کریں بلکہ سائیں کے پاس جاکر ان سے پوچھیں کہ آپ تو ملک بنانے والوں کے قافلہ میں شامل تھے' آپ کو کیا شکایات ہیں' اس کے بعد ان کی تمام شکایات کو بغور اسٹڈی کریں۔ ان میں سے جو جائز شکایات ہیں اگر ان تمام کو دور کر دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ ان کی ناراضگی دور ہو جائے گی۔ میرے اس یقین کی وجہ بھی ہے۔ سائیں نے ایک بار خود کہا تھا کہ مالی جس پودے کو خود اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اسے کاٹتے ہوئے اس کو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ ان کا یہ بیان میں نے بھی پڑھا تھا اور اسے پڑھ کر مجھے بہت افسوس ہوا تھا کیونکہ ان کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا جو موجودہ مؤقف ہے اسے انہوں نے خوشی سے اختیار نہیں کیا۔ اس میں دکھ کا عنصر' تکلیف کا عنصر ضرور موجود ہے۔ آج وہ جو بات کر رہے ہیں اس کی یقیناً کچھ وجوہ ہوں گی۔ ان وجوہ پر نہ صرف غور کیا جانا چاہئے بلکہ ان کو دور کیا جانا چاہئے۔ ان کے گلے میں ملک دشمنی کا طوق ڈالنے کے بجائے خلوص نیت کے ساتھ ان کی شکایات سنی جائیں اور سندھ کے ساتھ جو زیادتیاں جو ظلم کئے جا رہے ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔ سندھ بھی تو پاکستان کا صوبہ ہے' سندھی بھی تو پاکستان کے شہری ہیں کیا وہ پاکستان میں نہیں رہتے؟ اگر وہ بھی پاکستان میں رہتے ہیں تو انہیں پاکستانی سمجھتے ہوئے ان کی جائز شکایات سنی جانی چاہیں۔ شکایات سننے کے بجائے اگر ان پر ملک دشمنی کا الزام عائد کر کے انہیں بند کر دیا جائے تو یہ کہاں کا انصاف ہے' کیا اس سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟ مجیب الرحمٰن کو اور بنگالیوں کو غدار قرار دے کر کیا ہم نے ملک کو محفوظ کر لیا؟ مشرقی بازو کو کٹنے سے بچا لیا؟ اگر مجیب کو اقتدار دے دیا جاتا ۔ کیونکہ اس نے اکثریت حاصل کر لی تھی' اگر بنگالیوں کی جائز شکایات سن لی جاتیں اور دور کر دی جاتیں تو آج ہمارے پاس وہی پاکستان ہوتا جو قائداعظم محمد علی جناحؒ کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا تھا۔

ہمیں مشرقی پاکستان کے سانحہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ سندھ کے لوگوں کی جائز شکایات سنے اور سمجھے بغیر انہیں غیر محب وطن قرار دینا نہ صرف ناانصافی بلکہ انتہائی غیر دانشمندی ہے۔ پچھلے دنوں ڈاکوؤں کی آڑ میں سندھ کی دھرتی پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں' دیہاتوں میں خواتین کے ساتھ جو زیادتیاں کی گئی ہیں۔ نوجوانوں پر جو ظلم کئے گئے ہیں' ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ آپ کراچی کی حدود سے باہر نکلیں' لاڑکانہ تک بائی روڈ سفر کریں۔ جگہ جگہ آپ کو ایسا محسوس ہو گا کہ آپ کسی مفتوحہ علاقہ سے گزر رہے ہیں۔ یہاں نئی نئی چھاؤنیاں بنائی جا رہی ہیں' آخر کیوں؟ میں تو یہ کہتا ہوں کہ صرف سندھ میں ہی نہیں بلکہ دوسرے صوبوں کے لیڈروں سے بھی بات کی جائے' ان کی شکایات سنی جائیں۔ خان عبدالغفار خان

اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ خان عبدالولی خان سے بات کی جائے' بلوچ لیڈروں سے بات کی جائے۔ غداری کے سرٹیفکیٹ تقسیم کرنے کی بجائے چھوٹے صوبوں کی شکایات دور کی جائیں تاکہ اس ملک کو استحکام اور خوش حالی نصیب ہو سکے' تمام شہریوں کو ان کے جائز حقوق مل سکیں اور صرف اسی صورت میں قومی سالمیت اور یک جہتی کو یقینی بنایا جاسکتا ہے ، صرف اسی طرح ملک مضبوط ہو سکتا ہے۔ ایک گھر کے اندر بھی اختلافات ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ ہم گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے' ہم علیحدہ ہو جائیں گے ، تو سمجھدار گھرانے میں ان کے بزرگ بیٹھ کر ناراض فرد کی بات سنتے ہیں کہ بھئی آپ کو کیا پریشانی ہے ، آپ کیوں علیحدہ ہونا چاہتے ہیں پھر وہ اس کی شکایت کا ازالہ کرتے ہیں اسے سمجھاتے ہیں۔ ملک بھی ایک گھر کی مانند ہوتا ہے۔ اس میں رہنے والے جتنے بھی افراد ہوتے ہیں ان سب کا اس پر یکساں حق ہوتا ہے۔

پاکستان کسی ایک فرد کا پاکستان نہیں ہے۔ کسی ایک قومیت کا پاکستان نہیں ہے بلکہ یہاں رہنے والی تمام قومیتوں کا پاکستان ہے' اس پاکستان کے وسائل پر سب کا برابر حق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر سب کو ان کے جائز حقوق دے دیئے جائیں تو کوئی بھی علیحدگی کی بات نہیں کرے گا اور سب مل کر نہ صرف اس پاکستان کے گیت گائیں گے بلکہ اپنا تن من دھن اسی طرح اس ملک کے لئے قربان کر دیں گے جس طرح وہ ماضی میں قربان کرتے رہے ہیں اور پاکستان مزید مضبوط و مستحکم ہو گا۔

ایم۔ کیو۔ ایم اور سندھ کے دوسرے لیڈر

سندھ میں لسانی فسادات کے نتیجہ میں سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان وسیع خلیج حائل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھنے لگے تھے۔ ہم نے پوری پوری کوشش کی ہے کہ ہم سندھیوں کو یہ یقین دلائیں کہ ہم سندھ کی تقسیم نہیں چاہتے! میں ایک بار پھر اپنے سندھی بھائیوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مہاجروں کے حقوق کا مطالبہ کرنے کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی بھی طور پر سندھ کی تقسیم یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز چاہتے ہیں۔ ہم سندھ کے اندر رہتے ہوئے اپنی آبادی کے تناسب سے اپنا حصہ چاہتے ہیں اور سندھی بھائیوں کے تمام جائز حقوق انہیں دئے جانے کا پرزور مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ ہم پر سندھیوں کا بڑا احسان ہے۔ جب ہمارے لٹے پٹے قافلے ہندوستان سے یہاں پہنچے تو انہوں نے جس محبت سے ان کا والہانہ خیر مقدم کیا اور سگے بھائیوں جیسا جو سلوک کیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ہم پر سندھیوں کا بڑا قرض ہے جو ہمیں چکانا ہے۔ لہٰذا سندھ کے مفاد کی جب بھی کوئی مشترکہ جدوجہد ہوئی ایم۔ کیو۔ ایم انشاء اللہ سندھیوں کے شانہ بشانہ اس میں شامل رہے گی اور

اس سے قبل بھی ہماری آواز ان کی آواز کے ساتھ شامل رہی ہے۔

جہاں تک ایم۔ کیو۔ ایم کے بارے میں سندھی لیڈروں کے تصور کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں' میں یہ کہوں گا کہ ہمارے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں اس سے سندھی لیڈروں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ ایم۔ کیو۔ ایم آج مہاجر قومیت کی بات کر رہی ہے کل یہ زمین کے ٹکڑے کی بات کرے گی یا علیحدہ صوبہ کی بات کرے گی' لیکن میں واشگاف الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کسی بھی صورت میں سندھ کی تقسیم نہیں چاہتے' ہم سندھ میں رہتے ہوئے' پاکستان میں رہتے ہوئے اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں تاہم یہ غلط فہمی اب بڑی حد تک دور ہو گئی ہے۔ سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان جو خلیج حائل ہو گئی تھی اسے پاٹنے کی ہم نے پوری پوری کوشش کی ہے۔ ہماری کوشش انشاء اللہ جاری رہے گی اور سندھی رہنماؤں کو ایم۔ کیو۔ ایم کے بارے میں اگر کوئی بد گمانی ہے تو ہم اپنے عمل اور کردار سے اس کو بہت جلد دور کر دیں گے۔

اس سلسلے میں' میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہم نے جو قرارداد مقاصد پیش کی ہے اس میں ہمارے مطالبہ کے ساتھ سندھیوں کے حقوق کا مطالبہ بھی شامل ہے جس کی وجہ سے سندھ سروٹس سوسائٹی کے صدر اور سندھ کے ماہر تعلیم و دانشور پروفیسر سید غلام مصطفیٰ شاہ نے اس کی مکمل تائید کی ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور ہمیں جیسے ہی موقع ملا ہم سندھ کے لیڈروں سے تفصیلی گفتگو کریں گے، اپنے مسائل ان کے سامنے رکھیں گے اور اگر انہیں کوئی غلط فہمی یا کنفیوژن ہو گا تو اسے دور کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ سندھی لیڈر ہماری مثبت باتوں کا مثبت جواب دیں گے کیونکہ اسی میں سندھ کی بھلائی ہے' اور یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ہمارے علم میں ہے کہ سندھ کے بہت سے رہنما ہماری قرارداد مقاصد پر غور کر رہے ہیں اور کل تک سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان کشیدگی کی جو صورت تھی وہ بڑی حد تک ختم ہو رہی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں جب ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو گرفتار ہونے کے بعد ۲۴ جنوری ۱۹۸۷ء کو رہا ہوا اور اس کے بعد میں نے سندھ کا دورہ کیا تو مجھے خوش آمدید کہنے والوں میں صرف مہاجر ہی نہیں بلکہ بڑی تعداد میں سندھی بھائی بھی شامل ہوتے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ سندھی اور مہاجر ملکر سندھ کے غصب شدہ حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کریں گے۔

ایم۔ کیو۔ ایم کا عوام کے حقوق کے متعلق موقف

ہماری تحریک کے خلاف استحصالی طبقہ نے اور ان مخصوص سیاسی و مذہبی جماعتوں نے جن کی ساکھ ایم۔ کیو۔ ایم کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے' یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ ہم سندھ میں رہنے والے پنجابیوں اور

پختونوں کے خلاف ہیں۔ ہماری قرار داد مقاصد میں یہ بات موجود ہے کہ جو شخص سندھ میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے (خواہ وہ پنجابی ہو' خواہ پختون ہو) جو کماتا ہے یہیں خرچ کرتا ہے اس کو بھی ہم مقامی کی تعریف میں شامل کرتے ہیں اور اس کا بھی سندھ پر اتنا ہی حق ہے جتنا کسی سندھی یا مہاجر کا ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ ہم صرف سندھیوں اور مہاجروں کی بات کر رہے ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ سندھ میں رہنے والے پنجابی اور پختون جو اپنے خاندان کے ساتھ یہیں رہتے ہیں یہی کماتے ہیں یہیں کھاتے ہیں' جن کا اس دھرتی سے مستقبل وابستہ ہے' جنہوں نے اپنا مستقبل اسی سرزمین سے وابستہ کیا ہوا ہے۔ ان کا بھی اس پر وہی حق ہے جو سندھیوں اور مہاجروں کا حق ہے۔ اس ضمن میں' میں اپنے ان پنجابی اور پختون بھائیوں سے جنھوں نے سندھ کی سرزمین کو اپنا لیا ہے' ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ اب چونکہ آپ سندھ میں رہتے ہیں اس لئے اپنے رشتہ کو سندھ سے جوڑیں اور سندھ کا جو استحصال کیا جارہا ہے' سندھ کے ساتھ جو نا انصافیاں کی جارہی ہیں' ان پر آپ سندھ کے نمائندہ کی حیثیت سے آواز بلند کریں' نہ کہ آپ اپنا رشتہ پنجاب یا سرحد سے جوڑیں اور وہاں کے مفادات کو سندھ کے مفادات پر ترجیح دیں بہت سے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم سرحد میں جاکر یہ بات بتائیں گے' ہم پنجاب میں جاکر وہ بات بتائیں گے۔ آخر کیوں؟ آپ رہتے سندھ میں ہیں' تو آپ کو کیا ضرورت ہے کہ پنجاب یا سرحد جاکر اپنا مسئلہ پیش کریں۔ اگر آپ کو یہاں کوئی شکایت ہے تو آپ یہاں کے مقامی لوگوں سے ہی مل کر بات کریں کیونکہ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو سندھ ہی میں رہنا ہے اور آپ نے سندھ ہی سے اپنا رشتہ استوار کر لیا ہے تو پھر سندھ کے معاملات میں دوسرے لوگوں کو مداخلت کی دعوت دینا سندھ کی حیثیت کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ ہم مہاجروں اور سندھیوں کے لئے جن حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں انہی حقوق کا مطالبہ سندھ میں آباد ایسے پنجابی اور پختون بھائیوں کے لئے بھی کر رہے ہیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ جب سندھیوں اور مہاجروں کو تمام حقوق ملیں گے تو ان لوگوں کو بھی ملیں گے۔ ہمارے افکار اور ہماری سوچ کا انداز اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب کراچی اور حیدر آباد میں حق پرست کو نسلر کامیاب ہوئے تو میں نے جیل سے انہیں یہ پیغام نہیں دیا کہ اے حق پرستو! تم صرف مہاجروں کا کام کرنا' بلکہ میں نے کہا کہ تم جس علاقہ سے بھی منتخب ہوئے ہو' وہاں صرف مہاجروں اور سندھیوں ہی کی خدمت نہیں کرنا بلکہ وہاں رہنے والے تمام لوگوں کی خدمت کسی امتیاز یا تفریق کے بغیر کرنا خواہ وہ پنجابی ہو' پٹھان ہو یا کوئی اور تم اس کی ہر جائز شکایت کا اسی طرح ازالہ کرنا جس طرح کسی مہاجر یا سندھی کی شکایت کا ازالہ کرو اور یہ عملی بات ہے جو ہم نے کر کے دکھائی ہے لیکن ہماری باتوں کو ہمیشہ غلط انداز میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ تاکہ سرحد اور پنجاب میں ایم۔ کیو۔ ایم کے بارے میں غلط تاثر قائم کر دیا جائے اور وہاں آباد پنجابی اور پختون بھائیوں کو ہم سے بدظن کر دیا



1979ء میں مہاجرین مشرقی پاکستان کی آمد پر امدادی سامان کی تقسیم

جائے اور وہ مشتعل ہو جائیں۔ حالانکہ ہمیں کوئی ایک ایسی مثال دے دی جائے کہ یہاں کسی محنت کش اور محب وطن پنجابی یا پختون کو نقصان پہنچایا گیا ہو۔ پنجابی بھائی تو ہماری گلیوں میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ فیڈرل "بی" ایریا' نارتھ ناظم آباد' نارتھ کراچی' لیاقت آباد اور گلبہار میں کتنے پنجابی آباد ہیں' کوئی بتائے کہ ان میں سے کسی کے گھر کو آگ لگائی گئی یا کسی کو گھر چھوڑ کر جانے پر مجبور کیا گیا وہ لوگ آج بھی اسی طرح ساتھ رہ رہے ہیں اور ان کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ بلکہ میں نے ہر جگہ جا کر اپنے ساتھیوں کو بار بار تاکید کی کہ وہ اپنے علاقوں میں رہنے والے پنجابی اور پختون بھائیوں کی حفاظت کریں اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔ حالانکہ ان آبادیوں میں ڈرگ مافیا نے بار بار حملے کئے اور مہاجروں کے گھروں کو آگ لگائی انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا۔ لیکن ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ پنجابی یا پختون بھائیوں سے ہماری کوئی لڑائی نہیں ہے' ہماری جدوجہد مہاجروں کے حقوق کے لئے ہے ہماری جدوجہد استحصالی طبقہ کے خلاف ہے' ان لوگوں کے خلاف ہے۔ جنھوں نے حقوق غصب کئے ہوئے ہیں اور جو بالٹر لوگ ڈرگ مافیا کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں ان کے خلاف ہے۔

ایم۔ کیو۔ ایم کے توسیع کے منصوبے

ایم کیو۔ ایم کراچی اور حیدر آباد کے علاوہ میرپور خاص' لاڑکانہ' سکھر غرض سندھ کے تقریباً تمام شہروں میں بڑی مضبوط اور منظم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ سوال کرے کہ ان شہروں میں اسے بلدیاتی انتخابات میں وہ کامیابی حاصل کیوں نہ ہو سکی جو اسے کراچی اور حیدر آباد میں ہوئی ہے تو میں یہ بتانا چاہوں گا کہ کوٹری میں ہم نے تقریباً برابر نشستیں حاصل کی ہیں۔ اس کے علاوہ لاڑکانہ' خیرپور' میرپور خاص یہاں تک کہ ٹھٹھہ میں بھی ہم نے نشستیں حاصل کی ہیں۔ لیکن کامیابی کی شرح وہ نہیں ہے جو کراچی اور حیدر آباد میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پورے سندھ میں ہر جگہ ایم۔ کیو۔ ایم کی مقامی انتظامیہ اپنے تمام کارکنان سمیت ۳۶ اگست تک گرفتار کر لی گئی تھی۔ دوسری طرف کراچی میں ایم۔ کیو۔ ایم کے تمام مرکزی عہدیدار اور اہم کارکن یا تو گرفتار تھے یا زیر زمین تھے۔ اس لئے اندرون سندھ شہروں میں ایم۔ کیو۔ ایم صحیح طور پر بلدیاتی انتخابات میں حصہ ہی نہیں لے سکی کیونکہ وہاں نہ کوئی منصوبہ بندی کرنے والا تھا نہ ہی امیدواروں کا انتخاب کرنے والا تھا۔ اس کے باوجود بھی ایم۔ کیو۔ ایم کو کراچی اور حیدر آباد کے علاوہ کئی شہروں میں کامیابی حاصل ہوئی۔

اکثر ہم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ہم ایم۔ کیو۔ ایم کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے لئے کیا سوچتے ہیں۔ تو اس بارے میں' میں یہ کہوں گا اور پہلے بھی بار بار کہہ چکا ہوں کہ ایم۔ کیو۔ ایم کو صرف

اس طرح نہ دیکھا جائے کہ یہ مہاجروں کی جماعت ہے بلکہ اس طرح دیکھا جائے کہ ایم۔ کیو۔ ایم کی تحریک چلانے والے لوگ معاشرے کے کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کچلے ہوئے پسے ہوئے اور استحصال زدہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور پاکستان کے دوسرے تینوں صوبوں کے لوگ خود یہ کہتے ہیں کہ یہ طبقہ وہاں بھی موجود ہے۔ (حالانکہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ مہاجروں میں بھی ایک چھوٹا سا استحصالی طبقہ موجود ہے) مہاجروں نے ایم۔ کیو۔ ایم کے نام سے جو تحریک شروع کی ہے اس کو چلانے والے مظلوم اور پسے ہوئے لوگوں میں سے ہیں' اس کے معاونین اور حامی بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اس طرح ایم۔ کیو۔ ایم نے پورے پاکستان کے عوام کو ایک مثال قائم کر کے دکھائی ہے کہ مظلوم طبقہ کے لوگ' پسے ہوئے لوگ اگر سچے دل' اور پختہ عزم کے ساتھ چاہیں تو وہ بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایک مضبوط تنظیم بنا سکتے ہیں۔ میں بلوچستان' پنجاب اور سرحد کے مظلوم طبقہ سے بھی یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا استحصال ہو رہا ہے' آپ کو حقوق نہیں مل رہے ہیں تو آپ بھی ایم۔ کیو۔ ایم جیسی تنظیم بنائیں۔ ایم۔ کیو۔ ایم تو ایک مثال ہے' ایک سبق ہے تمام مظلوم اور اپنے حقوق سے محروم لوگوں کے لئے' خواہ وہ کسی بھی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں اور کسی بھی صوبہ میں رہتے ہوں۔ کوئی وڈیرا' کوئی جاگیردار' کوئی سرمایہ دار ہماری تحریک کا رہنما نہیں ہے' نہ ہمیں چلانے والا ہے' نہ ہماری مدد کرنے والا ہے۔ بلکہ جو طبقہ خود مسائل سے دوچار ہے خود اسی کے ہاتھ میں تحریک کی قیادت ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ پنجاب' سرحد اور بلوچستان کے غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ بھی اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ میں یہ بھی واضح طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہم یعنی ایم۔ کیو۔ ایم ملک کے تمام مظلوم طبقات کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہے۔

ایم۔ کیو۔ ایم ملکی یا قومی سیاست میں

ایم۔ کیو۔ ایم مہاجروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہی ہے لیکن ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مہاجر بھی اس ملک کا حصہ ہیں' وہ بھی اسی ملک کے شہری ہیں قومی سطح پر آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ مہاجروں کا ایک موثر کردار رہا ہے اور وہ آئندہ بھی قومی سطح پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ انکو قومی سطح پر تسلیم کیا جائے۔ ماضی میں مختلف سیاسی و مذہبی جماعتیں مہاجروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال تو کرتی رہی ہیں۔ لیکن جب بھی کوئی اہم قومی مسئلہ آیا ہے یا مکھ دینے کا وقت آیا ہے تو اس وقت مہاجروں کو Unwanted Elements سمجھ کر اس صف سے ہٹا دیا گیا ہے۔ لیکن ایم۔ کیو۔ ایم نے ایک مثال قائم کی ہے کہ متوسط' غریب اور نچلے طبقہ کے لوگ بھی ایک تنظیم بنا کر اپنے

نمائندوں کو ایوانوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ کراچی اور حیدر آباد کے بلدیاتی ایوانوں میں پہنچنے والے لوگوں میں سے کتنے وڈیرے' جاگیردار یا سرمایہ دار ہیں۔ ان میں وہ لوگ پہنچے ہیں جو بینر بنانے اور پوسٹر چھپوانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ لیکن ہم نے اپنے عمل و کردار سے اور اپنے نظم و ضبط سے یہ ثابت کیا کہ اگر محنت کش اور غریب لوگ خلوص نیت کے ساتھ چاہیں تو منظم و مستحکم ہو سکتے ہیں۔

میں پاکستان کے عوام کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری مخالف سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اور بیوروکریسی نے ہمارے بارے میں جو پروپیگنڈہ کیا ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے' اس من گھڑت اور زہریلے پروپیگنڈے میں جو کچھ لکھا یا بتایا گیا ہے وہ اس انداز سے لکھایا بتایا گیا ہے کہ اس کو سن کر پاکستان کے عوام ہمارے بارے میں منفی ردعمل کا اظہار کریں' ان کی نظروں میں ایم۔ کیو۔ ایم کا امیج خراب ہو۔ مثال کے طور پر پنجاب اور سرحد میں یہ تاثر دیا گیا کہ ایم۔ کیو۔ ایم پنجابیوں اور پٹھانوں کے خلاف ہے اور اس کا مقصد ان لوگوں کو سندھ سے نکالنا ہے جب کہ ہماری قرارداد مقاصد میں' اس سلسلے میں ہمارا واضح مؤقف موجود ہے اور میں اس سے قبل اس کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی کی مخالفت کے لئے میدان عمل میں نہیں آئے ہیں بلکہ صرف اور صرف اپنے حقوق کے حصول کے لئے متحد اور متحرک ہوئے ہیں۔ ہم پاکستان کے دوسرے تمام لوگوں کے حقوق کو تسلیم کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ مہاجروں کو بھی ان کے جائز حقوق دیئے جائیں۔

چونکہ ایم۔ کیو۔ ایم متوسط' غریب اور نچلے طبقہ کی تنظیم ہے اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ اس کی مثال کو سامنے رکھ کر پنجاب' سرحد' بلوچستان اور سندھ کے متوسط' غریب اور نچلے طبقہ کے لوگ اپنی تنظیمیں بنا کر سامنے آجائیں اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو کہیں جاگیرداروں' وڈیروں' سرمایہ داروں اور بیوروکریسی کی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی حکمت عملی ناکام نہ ہو جائے۔ اسی لئے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایم۔ کیو۔ ایم کو دوسرے صوبوں میں غلط رنگ میں پیش کیا جائے۔ وہاں کے لوگ اس تنظیم سے الرجک ہو جائیں تاکہ پنجاب' سندھ' سرحد اور بلوچستان کا مظلوم طبقہ ایم۔ کیو۔ ایم سے نہ مل سکے اور کوئی مشترکہ جدوجہد شروع نہ ہو سکے۔ صرف اس عمل کو روکنے کے لئے پنجاب اور سرحد میں ہمارے خلاف غلط اور من گھڑت پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔

سابق وزیراعظم جونیجو نے بیسبات بہت اچھی کی تھی کہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کو بلا کر اس امتیاز کے بغیر کہ وہ ان کی حامی ہوں یا ان سے اختلاف رائے رکھتی ہوں' ایک اہم قومی مسئلہ پر مشاورت کے لئے مدعو کیا اور ایک میز پر جمع کیا۔ کاش ہمارے ہاں یہ روایت ہمیشہ سے قائم رہی ہوتی اور خدا کرے کہ یہ روایت آئندہ بھی برقرار رہے' اگر ایسا ہوا تو ہمارے ملک کے سینکڑوں مسائل افہام و تفہیم کے ذریعے خوش اسلوبی

سے حل ہو جائیں گے۔ تو یہ کوشش بڑی اچھی تھی لیکن میں اپنے سندھی' پنجابی' پختون اور بلوچی بھائیوں سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ دیانتداری سے اس بات پر غور کریں کہ ایک ایسی قومی کانفرنس میں جس میں قومی سطح کی جماعتوں کے علاوہ علاقائی لسانی اور فقہی بنیاد پر قائم تنظیموں کو بھی مدعو کیا گیا ایک ایسی جماعت کو جسے ملک کے ڈیڑھ کروڑ عوام کی واضح اور غیر متنازعہ نمائندگی حاصل ہو، اس کانفرنس میں مدعو نہ کرنا کہاں کا انصاف تھا؟ جب کہ ملک بھر میں کوئی دوسری جماعت ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ دو بڑے شہروں میں اس کے میئر اور ڈپٹی میئر بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں۔ یوں تو ہمیشہ کہا جاتا رہا ہے کہ کراچی کے عوام ملک کی سیاست میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن اس اہم قومی مسئلہ کے موقع پر ایم۔ کیو۔ ایم کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ کراچی کے عوام اور حیدر آباد کے عوام کو ایک کو ایک "ناپسندیدہ عنصر" کی طرح نظر انداز کیا گیا ۔ اس لئے کہ ایم۔ کیو۔ ایم ان دونوں شہروں کے عوام کی سب سے زیادہ تائید اور حمایت یافتہ جماعت ہے۔ کیا اس صورت حال سے کراچی' حیدر آباد اور سندھ کے دوسرے شہروں کے عوام یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہوں گے کہ ان کی نمائندہ تنظیم کو اس قومی مسئلہ میں شامل نہیں کیا گیا۔

جو حضرات آج ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا مستقبل میں ایم۔ کیو۔ ایم۔ قومی سیاست میں کوئی اہم کردار ادا کر سکے گی' میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ایم۔ کیو۔ ایم کو پس پشت ڈالنے اور ——— Ignore کر دینے کی ہر کوشش کے باوجود اس نے قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ کردار کچھ کم ہے کہ پاکستان کے تمام مظلوموں کو اس نے ایک سبق دیا ہے کہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے محتاج نہ رہو بلکہ خود میدان میں آؤ ایم۔ کیو۔ ایم میں کون جاگیردار ہے' الطاف حسین جاگیر دار ہے یا کسی جاگیردار کا بیٹا ہے۔ عظیم احمد طارق سرمایہ دار ہے یا کسی سرمایہ دار کا بیٹا ہے۔ ہم میں کوئی بھی کسی نواب' جاگیردار' سرمایہ دار' یا وڈیرے کا بیٹا نہیں ہے۔ ہم محنت کش لوگ ہیں' مظلوم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نے اپنی تعلیم ٹیوشن پڑھا پڑھا کر مکمل کی ہے۔ ہم نے ملک بھر کے غریبوں کو یہ سبق دیا ہے کہ تمہیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنے حقوق کے لئے یا ملک میں کسی تبدیلی کے لئے بڑے گھروں کی طرف دیکھو۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس ملک کے مظلوم عوام خواہ وہ کسی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں' کسی صوبہ میں رہتے ہوں اور کوئی بھی زبان بولتے ہوں' ایم۔ کیو۔ ایم سے خود کیا سبق حاصل کرتے ہیں۔ اگر وہ میدان میں آتے ہیں تو ہم ان کے شانہ بشانہ کام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے بارے میں یہ تاثر کیوں دیا جاتا ہے کہ ہم قومی دھارے میں شامل نہیں ہو سکتے۔ میں ان لوگوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ کسی ایک جماعت کا نام بتادیں۔ جو ملک کے چاروں صوبوں میں

عوامی سطح پر یکساں مقبول ہو۔ کوئی جماعت پنجاب میں اثر و رسوخ رکھتی ہے' تو کوئی سندھ میں..... کوئی سرحد تک محدود ہے تو کوئی بلوچستان تک صرف مہاجروں کے لئے ہی یہ بات کیوں کہہ دی جاتی ہے کہ آپ صرف سندھ تک محدود ہیں اور آپ قومی دھارے میں شامل نہیں ہو سکتے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلے چالیس سال کے دوران چلنے والی تحریکوں میں کراچی اور حیدر آباد کے عوام نے انتہائی اہم رول ادا کیا ہے۔ اور کراچی اور حیدر آباد کی رائے عامہ کے اثرات پورے ملک کی سیاست پر مرتب ہوتے ہیں۔ پچھلے بلدیاتی انتخابات میں ایسے ایسے حق پرست کونسلر منتخب ہوئے ہیں جو اپنی غربت کی وجہ سے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ کونسلر بنیں گے۔ کراچی اور حیدر آباد میں جو یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے کہ مظلوم طبقوں میں سے لوگ عوامی نمائندوں کی حیثیت سے منتخب ہو کر بلدیاتی ایوانوں میں پہنچے ہیں اور انہوں نے شہر کے انتظامی معاملات کو چلانے کے اختیارات حاصل کئے ہیں' اس تبدیلی کے اثرات یقیناً ملک کے دوسرے شہروں پر بلکہ قومی سیاست پر مرتب ہوں گے ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ وقت لگے لیکن مجھے یقین ہے کہ دوسرے صوبوں کے مظلوم اور محروم عوام بھی کراچی اور حیدر آباد میں اس تبدیلی اور ایم کیو ایم کی کامیابی سے ضرور سبق حاصل کریں گے

ایم کیو ایم کی افغان پالیسی

ایم کیو ایم قومی مفادات کے تناظر میں افغان مسئلہ کو دیکھتی ہے اور ایسا ہی حل چاہتی ہے جو قوم کے بہترے بہتر مفاد میں ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو سپر طاقتیں طویل عرصہ سے محاذ آرائی میں مصروف ہیں اب سپر طاقتوں کے مذاکرات ہو چکے ہیں اور کچھ مذاکرات ہونے باقی ہیں۔ ہمارا قومی مفاد اس میں ہے کہ ہم سپر طاقتوں کی محاذ آرائی میں اپنے ملک کو ملوث نہ کریں۔ ہمارا عمل اور کردار یہ ہونا چاہئے کہ ہم سپر طاقتوں کے آلۂ کار بننے کی بجائے اپنے قومی مفاد کو عزیز تر رکھیں۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے ہاں جتنے بھی افغان پناہ گزین ہیں وہ واپس چلے جائیں۔ افغانستان سے روس کے چلے جانے کے بعد تمام افغان پناہ گزینوں کو واپس چلے جانا چاہئے۔ وہاں کیا صورت حال بنتی ہے مجبوری حکومت بنتی ہے یا نہیں۔ اپنی طرف سے اس قسم کی کوئی شرط عائد کرنا میرے خیال میں کسی دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے اور خود پاکستان کے مفاد میں بھی نہیں ہوگی۔ اس طرح ہم دوسرے ملک کے معاملات میں مداخلت کر کے دوسرے ملک کو اپنے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنے کا جواز فراہم کریں گے۔ کیا پاکستانی عوام اس بات کو پسند کریں گے کہ بھارت روس یا امریکہ یا کوئی

اور طاقت یہ فیصلہ کرے کہ پاکستان کی حکومت کیسی ہونی چاہئے اور کیسی نہیں ہونی چاہئے؟ ظاہر ہے کہ پاکستانی عوام اس بات کو قبول نہیں کریں گے۔ مختصر یہ ہے کہ افغان پناہ گزینوں کو واپس جانا چاہئے یہ ان کا مسئلہ ہے اگر پناہ گزین یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں کی حکومت صحیح نہیں ہے تو وہ وہاں جاکر تحریک چلائیں مظاہرے کریں الیکشن کرائیں انہیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ اپنے ملک میں کریں۔ ہم دوسروں کو اپنا ملک استعمال کرنے کی اجازت کیوں دیں۔

یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ ہم اپنے قومی مفادات کو مسلسل دوسروں کے مفاد پر قربان کرتے جائیں اس سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم اسلامی اخوت کی بنیاد پر افغانیوں کی مدد کر رہے ہیں اگر ہم اسلامی اخوت کی بنیاد پر افغانیوں کی مدد کر رہے ہیں تو بھارتی مسلمانوں کے لئے ہم نے کتنی سرحدیں کھولی ہیں۔ وہاں بھی آئے دن فسادات ہوتے رہتے ہیں اور مسلمان کٹتے رہتے ہیں کیا بھارت میں رہنے والے مسلمان مسلمان نہیں ہیں کیا ان پر ہونے والا ظلم ظلم نہیں ہے کیا ہم بھارت کے مسلمانوں کے لئے اپنی سرحدیں کھول کر انہیں یہاں لاکر بھارت کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ ہم ایسا کر سکتے ہیں اور نہ بھارت اسے پسند کرے گا ہمارے حکمرانوں کو اور تمام سیاسی جماعتوں کو ملک و قوم کے مفاد کو ہر چیز اور ہر مصلحت سے بالاتر رکھنا چاہئے ہمارے اپنے ملک میں ہزاروں لوگ فاقوں اور کسمپرسی کا شکار ہیں سندھ کے علاقہ تھر میں کیا صورت حال ہے اسی طرح بلوچستان سرحد اور پنجاب کے بے شمار دیہات ایسے ہیں جہاں انتہائی غربت اور افلاس کا دور دورہ ہے۔ پہلے ہمیں ترجیحی بنیادوں پر اپنے ملک کے لوگوں کے مسائل حل کرنا چاہئیں کیونکہ وہ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستانی بھی ہیں اسلام کا درس یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے گھر کو دیکھو' اگر خدا نے تمہیں مدد کرنے کی استطاعت دی ہے تو سب سے پہلے اپنے کی مدد کرو۔

جب میں اسلامی اخوت کی بنیاد پر افغانیوں کی حمایت بلکہ ضرورت سے زیادہ حمایت کے بارے میں سوچتا ہوں تو فوری طور پر میرے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ وہ پاکستانی جو سترہ سال سے بنگلہ دیش میں ریڈ کراس کیمپوں میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں بھوک افلاس اور کسمپرسی کا شکار ہیں ان کا قصور کیا ہے؟ ان کا جرم کیا ہے؟ کیا انہوں نے پاکستانی جھنڈے کو سلامت رکھنے کے لئے پاکستانی فوج کا ساتھ دے کر جرم کیا تھا' گناہ کیا تھا جس کی سزا آج انہیں مل رہی ہے۔ جو مسلمان پاکستانی سترہ برس سے انتہائی افسوسناک حالات کا شکار ہیں انہیں اسلامی اخوت اور پاکستانی قومیت کی بنیاد پر پاکستان کیوں نہیں لایا گیا؟ ان کے لئے طرح طرح کی تاویلیں پیش کر دی جاتی ہیں اس طرح ہم ان لوگوں کے ساتھ تو جو زیادتی کر رہے ہیں وہ الگ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم پاکستان کے محب وطن عوام کے اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب مشرقی پاکستان کے پاکستانیوں کا سوال آتا ہے تو ہماری اکثر سیاسی جماعتیں خصوصاً مذہبی جماعتیں اسلامی اخوت کو کیوں بھول جاتی ہیں جب کہ ان لوگوں نے جو آج ایڑیاں رگڑ رہے ہیں پاکستان کے لئے دو بار قربانیاں دیں۔ اپنے گھروں کو' اپنے جوان بیٹوں کو' اپنی عزتوں اور عصمتوں کو' اپنی ملکیت کو اور اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف اور صرف پاکستان کی سالمیت اور سلامتی کے لئے قربان کیا تھا لیکن ان کو اس کا یہ صلہ ملا ہے کہ آج وہ بھوک' افلاس اور بیماری کا شکار ہیں اگر اسلامی اخوت کا خیال تھا تو اسلامی اخوت کے مطابق سب سے پہلا حق مہاجرین مشرقی پاکستان کا تھا انہیں پاکستان لانا چاہئے تھا میں حکومت سے انتہائی پرزور اپیل کرتا ہوں کہ مہاجرین مشرقی پاکستان کو فی الفور پاکستان لایا جائے۔ یہ ان کا اسلامی حق ہے' یہ ان کا قومی حق ہے۔ وہ پہلے بھی پاکستانی تھے اور آج بھی انہوں نے اپنے کیمپوں میں پاکستانی جھنڈے لگائے ہوئے ہیں انہیں پاکستان آنا چاہئے۔ اگر ہم اسلامی اخوت کی بنیاد پر ان لوگوں کی مدد نہ کریں گے جن کا پہلا حق بنتا ہے تو ہم اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے اور ان کے سزاوار قرار پائیں گے۔

بنگلہ دیش بننے وقت جو بچہ ایک سال کا تھا وہ آج سترہ سال کا ہو چکا ہے جو بچی ایک سال کی تھی وہ آج سترہ سال کی ہو چکی ہے' جو لڑکی اس وقت سترہ سال کی تھی آج وہ چونتیس سال کی ہو چکی ہے اس کے بالوں میں سفیدی جھانک رہی ہے لیکن آج کوئی اس کی ڈولی اٹھانے والا نہیں ہے اس کے بھائی پاکستان کے نام پر کٹ گئے۔ اس کے والدین پاکستان کے نام پر مر گئے کون ہے جو اس بچی کی ڈولی اٹھائے گا۔ کیا ہماری ایک بہن ڈولی اٹھنے سے صرف اس لئے محروم ہے کہ اس کا بھائی پاکستان کے لئے کٹ گیا ہے کیا یہ انصاف ہے؟ یہ کہاں کا اصول ہے؟ میرے پاس ہزاروں خطوط آتے ہیں جن کو پڑھ کر میں رونے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ خط جب میرے پاس آتے ہیں تو کیا حکومت کے پاس نہیں آتے ہوں گے مگر شاباش ہے کہ نہ کسی کی آنکھ میں آنسو آتا ہے نہ کسی کا دل پسیجتا ہے کیمپوں کی حالت تباہ ہو چکی ہے چھوٹے چھوٹے بچے اور نوجوان جن کے والدین انہیں پڑھا لکھا کر معاشرہ کا تعلیم یافتہ فرد بنانا چاہتے ہوں گے آج کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے ٹین کے ڈبے جمع کر رہے ہیں ٹوٹے ہوئے شیشے جمع کر رہے ہیں انہیں بیچ کر اپنے معذور' بیمار اور بوڑھے والدین کا پیٹ پال رہے ہیں نہ جانے کتنی بیٹیاں بہنیں اور بیوائیں ان کیمپوں میں پڑی ہوئی ہیں یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ ہم یہ لاپروائی کر کے کہیں خدا کے غضب کو تو آواز نہیں دے رہے ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی یہ کسمپرسی اور ان کی آہیں ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو جائیں۔

جو سیاسی و مذہبی جماعتیں ایم کیو ایم کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتی ہیں کہ وہ صرف پاکستانی قومیت پر یقین رکھتی ہیں میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ بنگلہ دیش میں ریڈ کراس کے کیمپوں میں محصور

پاکستانی کس قومیت سے تعلق رکھتے ہیں وہ کل بھی خود کو پاکستانی کہتے تھے آج بھی خود کو پاکستانی کہتے ہیں پاکستانی قومیت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے یہ جماعتیں آواز بلند کیوں نہیں کرتیں۔ افغانیوں کے لئے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ پاکستان کی جنگ لڑ رہے ہیں اور جن لوگوں نے حقیقی معنوں میں پاکستان کی جنگ لڑی جس میں انہوں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اپنا سب کچھ لٹا دیا کسی امید کے بغیر کسی شرط کے بغیر پاکستان کے لئے خود کو داؤ پر لگا دیا ان کے باقی ماندہ لواحقین کے لئے ان کے بچے کھچے خاندان کے لئے ان جماعتوں کے پاس ہمدردی کے دو بول بھی نہیں ہیں سیاسی جماعتوں کا فرض تھا کہ جب انہیں وزیر اعظم سے بالمشافہ گفتگو کا موقع ملا تھا تو انہیں افغان مسئلہ کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش کے کیمپوں میں محصور پاکستانیوں کا مسئلہ بھی اٹھانا چاہئے تھا لیکن انہوں نے نہیں اٹھایا۔

پیر صاحب پگاڑا کی سیاسی پیش گوئیاں

پیر صاحب کو اس ملک کا شہری ہونے کی حیثیت سے یہ حق ہے کہ وہ اپنے ذہن میں آنے والے ہر خیال کا اظہار کھل کر کریں' ہر شہری کو اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔ پیر صاحب نے پہلے بھی پیش گوئی کی تھی کہ جو جیتے گا وہ مسلم لیگ میں ہو گا وقت نے ثابت کر دیا کہ ایسا نہ ہو سکا۔ پھر وہ کہہ رہے ہیں کہ ایم۔ کیو۔ ایم کے کونسلر مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ اب یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ بہر حال اس سلسلے میں' میں یہ کہوں گا کہ اگر مسلم لیگ مظلوم طبقات کے لئے عملی جدوجہد کا نمونہ پیش کرے گی تو ایم۔ کیو۔ ایم کیا پورا ملک ہی مسلم لیگ میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن اب مہاجر زبانی جمع خرچ اور محض باتوں پر اعتبار کرنے کے لئے قطعی تیار نہیں ہیں اس لئے کہ مہاجروں نے چالیس سال تک تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں پر اعتبار کر کے انہیں آزما لیا ہے۔ اب مہاجر اپنے مسائل کا حل اپنی واحد نمائندہ تنظیم میں سمجھتے ہیں۔ پیر صاحب کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ جو جی میں آئے' کہیں۔ پہلے بھی انہوں نے کہا تھا کہ جو جیتے گا وہ مسلم لیگ میں آ جائے گا۔ لیکن جیتنے کے بعد حق پرست' حق پرست ہی رہا' وہ مسلم لیگ میں نہیں گیا اور مستقبل میں بھی انشاء اللہ ایم۔ کیو۔ ایم کے لوگ اپنے جھنڈے تلے نہ صرف متحد بلکہ ثابت قدم رہیں گے۔ پیر صاحب کی اس بات کے حوالے سے میں یہاں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلم لیگ ہی نہیں بلکہ کوئی بھی دوسری سیاسی پارٹی (خواہ وہ پیپلز پارٹی ہو' جماعت اسلامی ہو' جمعیت علمائے پاکستان ہو' این۔ ڈی۔ پی ہو یا اے۔ این۔ پی ہو) جو مہاجروں کے حقوق کو تسلیم کرے گی' مہاجروں کی حیثیت کو تسلیم کرے گی' مہاجر حقوق کا احترام کرے گی ہم اس کے ساتھ تعاون کرنے کو' ہاتھ ملانے کو تیار ہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد مسائل کا حل ہے' نہ کہ لڑائی جھگڑا ہے' نہ ہی کسی سے ہماری ذاتی مخاصمت یا بیر ہے۔ یہ بات ہم پہلے بھی ہانگ دہل کہہ چکے ہیں۔

کراچی کے میئر کا انتخاب

کچھ حلقوں نے یہ تاثر دیا تھا کہ بلدیہ عظمیٰ کراچی کی میئر شپ کے لئے سابق گورنر سندھ تابانی نے ڈاکٹر فاروق ستار کی حمایت کی تھی یا اس میں ان کا کوئی اشارہ شامل تھا۔ مگر یہ بات بے بنیاد ہے۔ دراصل حق پرست میئر کو ناکام بنانے کے لئے جو مختلف قسم کا پروپیگنڈہ کیا جارہا تھا۔ یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ڈاکٹر فاروق ستار آج ایم۔ کیو۔ ایم میں شامل نہیں ہوئے ہیں بلکہ پچھلے نو سال سے ایم۔ کیو۔ ایم میں سر گرمی سے کام کر رہے ہیں اگر فاروق ستار کے انتخاب میں گورنر کا کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایم۔ کیو۔ ایم کے لئے بھی گورنر کا کچھ ہاتھ ہو گا اور اگر ایسا ہوتا تو ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے بعد ایم کیو ایم کے کارکنوں اور دوسرے مہاجروں پر جو چنگیزی مظالم ہوئے ہیں' وہ نہ ہوتے۔

سندھ میں مقامی پولیس

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ کراچی کے لوگ پولیس میں نچلی سطح پر بھرتی کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر بھرتی کے طریقہ کار کو ایماندارانہ بنا دیا جائے۔ تو مقامی لوگ اتنی تعداد میں پولیس بھرتی کے لئے آجائیں گے کہ اتنی اسامیاں نہیں ہوں گی۔ میں اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ پولیس میں ریکروٹمنٹ کے قواعد و ضوابط کو تبدیل کیا جائے' انہیں منصفانہ بنایا جائے۔ مثال کے طور پر سندھ کے لوگوں کے قد و قامت اور جسامت' پنجاب اور سرحد کے لوگوں کے قد و قامت اور جسامت سے مختلف ہے۔ یہاں کے لوگ عموماً پنجاب اور سرحد کے لوگوں کے مقابلہ میں قد میں اور جسامت میں کچھ چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے اگر ہم سرحد اور پنجاب کے لوگوں کو پیمانہ بنا کر سندھ کے لوگوں کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کریں گے تو وہ سراسر ناانصافی بلکہ بد دیانتی اور بدنیتی ہو گی اور اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ یہ سندھ کے اکثر لوگوں کو پولیس کی ملازمت سے محروم رکھنے کی ایک دانستہ کوشش ہے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ سندھ میں پولیس کا اپنا قانون ہی نہیں ہے بلکہ جس قانون کے تحت یہاں بھرتی ہو رہی ہے اور سارا کاروبار چل رہا ہے اس کا نام "پنجاب پولیس ایکٹ" ہے۔ کیا یہ سندھ کے لوگوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔ اس لئے بنیادی بات یہ ہے کہ قوانین میں ترمیم ہونا چاہئے حکومت صرف ایک ماہ کے لئے ہمیں صرف پولیس کانسٹیبلوں کی بھرتی کا اختیار دے کر دیکھے' اگر ہم بھرتی نہ کر پائیں تو پھر ان کا الزام درست ہو گا۔ حکومت صرف آزمائش کے طور پر ایم۔ کیو۔ ایم کو اختیار دے کر دیکھے۔

اگر کسی مقامی شخص کا قد پانچ فٹ چھ انچ سے کم ہے۔ تو یہ ضروری تو نہیں کہ وہ اس کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکے جس کارکردگی کا مظاہرہ پانچ فٹ چھ انچ قد کا شخص کر سکتا ہے۔ یہ قطعی غلط ہے۔ پہلے بنگالیوں کے لئے بھی یہی کہا جاتا تھا کہ یہ کمزور ہیں 'ان کی جسمانی ساخت اچھی نہیں ہے' یہ قد میں چھوٹے ہیں اس لئے ان کو فوج میں نہیں لیا جا سکتا' لیکن یہی دبلے پتلے اور چھوٹے قد والے بنگالی تھے جو عملی میدان کی صورت میں سامنے آئے اور انہوں نے جو کارکردگی دکھائی اس پر میں زیادہ تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ ہر جگہ اور ہر علاقہ کی آب و ہوا اور جغرافیائی حالات میں اختلاف کی طرح وہاں کے لوگوں کی جسمانی ساخت اور صحت بھی مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہر علاقہ کے لئے بھرتی کے قواعد و ضوابط وہاں کے لوگوں کے حالات کے مطابق ہونے چاہئیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ سندھ میں سب ہی لڑکوں کا قد تو چھوٹا نہیں ہے اور جو لڑکے جیسے جیسے پولیس میں بھرتی ہو بھی جاتے ہیں ان کے ساتھ ٹریننگ کے دوران ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ وہ نوکری چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں 'انہیں طرح طرح سے تنگ کیا جاتا ہے اور واضح طور پر امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں کراچی میں یہ واقعہ ہو چکا ہے کہ بلدیہ ٹاؤن پولیس ٹریننگ کیمپ میں زیر تربیت سینکڑوں لڑکے ظلم و ستم اور ناانصافیوں سے تنگ آ کر بھاگ آئے تھے اس لئے کہ وہ نہ گالیاں سن سکتے تھے اور نہ وہ ظلم و ستم برداشت کر سکتے تھے جو وہاں ان کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ آخر یہ چیزیں کب تک برداشت کی جائیں گی؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ تربیتی کیمپوں میں ٹریننگ دینے والے بھی مقامی ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں طرز عمل یا گالیوں کا وہ انداز نہیں ہے اور ہمارے لڑکے وہاں جا کر اس ماحول میں ذہنی طور پر اپ سیٹ ہو جاتے ہیں 'پھر جان بوجھ کر بھی اس طرح کی حرکتیں کر کے انہیں نفسیاتی دباؤ کا شکار کر دیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے فرار کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور راہ نہ رہ جائے۔ پولیس کو تو بہت باکردار 'خوش اخلاق اور خوش زبان ہونا چاہئے خاص طور پر تربیت دینے والوں کو۔

سندھ میں کوٹہ سسٹم اور ہمارا موقف

ہم پہلے دن سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ غیر منصفانہ کوٹہ سسٹم کے بجائے 'اس نظام کو اس طرح رائج کیا جائے کہ مہاجروں کو ان کی آبادی کے تناسب سے حصہ ملے اور سندھیوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے۔ یعنی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں 'داخلوں غرض زندگی کے ہر شعبہ میں 'صوبائی سطح پر اور وفاقی سطح پر حصہ ملے۔ صرف ملازمتوں اور داخلوں ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تعصب روا رکھا جاتا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ حنیف خان کو قومی ہاکی سے کیوں ریٹائرڈ کر دیا گیا؟ کیا حنیف خان بوڑھے ہو گئے تھے یا ضعیف ہو گئے تھے۔ کیا ان کی عمر ۳۵۔ ۳۶ سال ہو گئی تھی۔ ہاکی

ٹیم ہو یا کرکٹ ٹیم ہو ہر جگہ بھانجے بھتیجے نظر آئیں گے۔ یہ سلسلہ ختم ہونا چاہئے اور میں کہتا ہوں کہ کھیلوں میں بھی سندھ کا کوٹہ مقرر ہونا چاہئے اس کے بعد اس میں سندھ کی آبادی کے تناسب سے مزید تقسیم ہو۔

کراچی کی آبادی اور ایم۔کیو۔ایم کا موقف

کراچی کی آبادی ایک کروڑ سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس تیزی اور تناسب سے اس شہر کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ ملک کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ہے۔ اس لئے اس بات کی فوری ضرورت ہے کہ حکومت ترجیحی بنیادوں پر کام کر کے اس شہر کی حقیقی اور ایماندارانہ مردم شماری کرائے اور پھر اس کے مطابق ہر کام میں کراچی کی آبادی کو مدنظر رکھا جائے۔

کراچی میں امن وامان کی صورتحال

کراچی کے خراب حالات کے سدباب کے لئے تجاویز کی تو ایک فہرست موجود ہے۔ لیکن کراچی کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ پولیس میں اوپر سے لے کر نچلی سطح تک مقامی افراد ہونا چاہئیں۔ کیا صوبہ سندھ میں لوگوں کی کمی ہے' یہاں ایسے لوگ نہیں ہیں جنھیں پولیس کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا جا سکے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کراچی میں پولیس کا سربراہ اور دوسرے لوگ مقامی ہوتے تو وہ شہر کے مختلف علاقوں میں بے قصور شہریوں پر وہ مظالم نہ ہونے دیتے جو پچھلے دنوں ہوئے ہیں اس لئے کہ وہ کسی نوجوان پر گولی چلاتے ہوئے یہ ضرور سوچتے کہ ان کے اپنے بچے بھی اسی شہر میں رہتے ہیں۔ اگر پولیس مقامی لوگوں پر مشتمل ہو تو وہ انتظامی لحاظ سے بھی زیادہ موثر ثابت ہو سکتی ہے اسکی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ گھر کے مسائل کو گھر ہی کا کوئی فرد زیادہ بہتر طور پر حل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ گھر کے مسائل کو کسی باہر کے آدمی کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور گھر کے دوسرے لوگوں کے مزاج سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا اوپر سے پولیس کا مقامی ہونا بہت ضروری ہے اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اس پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔

مہاجر ایک علیحدہ قومیت

پاکستان بننے کے بعد اس ملک میں پانچ قومیتیں اپنی اپنی زمینوں اور ثقافتوں کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ۱۹۷۱ء میں ایک قومیت یعنی "بنگلہ" اپنی قومیت کے درجہ سے نکل کر ایک قوم بن گئی۔ اس کے بعد سے اب تک اس ملک میں چار قومیتوں کی حیثیت مستند اور تسلیم شدہ ہے جب کہ ایک بڑا تہذیبی، تاریخی، ثقافتی اور لسانی گروہ جسے عرف عام میں "مہاجر" کہا جاتا ہے، اس ملک و معاشرے میں کسی قسم کے تشخص یا کسی آئینی شناخت سے قطعاً محروم ہے۔ اس ضمن میں ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ خود اس گروہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد بھی ان تلخ حقائق کو تسلیم نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں آج وہ اس ملک میں سیاسی نفرت اور معاشی عتاب کا شکار ہیں۔ مزید یہ کہ مہاجروں کے اس گروہ نے اپنے آپ کو بحیثیت ایک "قومیت" سمجھنے، سمجھانے یا منوانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی اور جب "مہاجر قومی موومنٹ" نے مہاجر عوام میں ان کی شناخت کا جذبہ روشناس کرانے کی کوشش کی تو انہیں متعصب اور ملک دشمن قرار دیا جانے لگا۔ جب کہ دوسری جانب پاکستان میں بسنے والی دوسری قومیتیں اپنے سیاسی و معاشی مستقبل کو تحفظ دینے اور دیرپا بنانے کے لئے ہر ممکن راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان قومیتوں میں اپنے "قومیت" ہونے کا احساس شدید تر ہے۔ انہیں اپنے آپ کو منوانے یا شناخت کرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ جب کہ مہاجر اپنی قومی حیثیت سے انکار کرتے رہے اور انہوں نے اپنی شناخت کو کبھی تسلیم کرنے یا تسلیم کرانے کی کوشش نہیں کی۔ جس کے نتیجہ میں آج وہ ذلت و رسوائی کے اس مقام پر آپہنچے ہیں کہ اب اگر انہیں نہ بچایا گیا تو یہ ایک اور قومی سانحہ ہوگا۔

پاکستان میں مہاجر بحیثیت "قومیت" کس طرح پیش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ قوم اور قومیت کی تعریف کو تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کیا جائے۔ تاکہ مہاجر قومیت پورے استدلال کے ساتھ اپنے آپ کو منوا سکے۔

عہد قدیم سے لے کر آج تک قوم، اقوام، گروہ یا قبیلے کے الفاظ کسی نہ کسی انداز میں مسلسل سننے میں آتے رہے ہیں لیکن اگر ابتدا سے چلیں اور "قوم" سے سمجھنے والے مفہوم پر نظر ڈالیں تو وہ مختلف ادوار میں مختلف نظر آئے گا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ "قوم" اور "قومیت" کے تصور میں ہر دور میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ تبدیلیوں کے ان ادوار کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور یا قبائلی دور

"جس دور میں لوگ قبیلے کی بنیاد پر پہچانے جاتے تھے وہ قبائلی دور کہلاتا تھا' اس دور میں نبیوں کے نام سے سی قوم کو منسوب کیا جاتا تھا" ابتدائی زمانہ یا عہد قدیم میں' جسے قبائلی دور کہا جاسکتا ہے 'لفظ "قوم" قبیلوں کے لئے کثرت سے استعمال ہوتا تھا۔ اس دور میں گزر بسر کا انحصار شکار کے گوشت پر یا خود رو سبزیوں اور پھلوں پر یا گلہ بانی پر تھا۔ آمدورفت اور رسل ورسائل کے موجودہ ذرائع مفقود تھے۔ لوگ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں محدود رہا کرتے تھے۔ قبائل اور بین القبائل معاملات پر فیصلہ کا اختیار قبیلے کے سردار کو ہوتا تھا' قبیلوں کے نام خاندان کے بزرگ یا سردار سے منسوب ہوتے تھے۔ "اس جدید عہد میں بھی قبائلی دور کی چند مثالیں صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے مختلف اضلاع میں دیکھی جاسکتی ہیں کہ جہاں وفاقی حکومت کی عملداری کم اور قبائلی سرداروں کے اثرورسوخ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔"

قبائل کے آپس کے مفادات کے ٹکراؤ یا ہم آہنگی کی بنیاد پر قبائل کا وفاق زیادہ بڑے علاقوں کو اپنے دائرے میں لے کر سرداروں کے سردار یا راجاؤں اور شہنشاہوں کو وجود میں لانے لگا اور ایک بادشاہت یا شہنشاہیت کے دائرے میں آجانے والے لوگ ایک قوم کہلائے جانے لگے' اسی دوران مذہب کا دور دورہ ہوا' نبیوں کا ظہور شروع ہوا تو مختلف قبائل کو مذہب کی بنیاد پر ایک قوم کہا جانے لگا اور قبیلوں کے نام نبیوں اور پیغمبروں کے نام سے منسوب کئے جانے لگے۔

قوم اور قومیت کے ان ارتقائی تصورات کی شہادتیں قرآن پاک میں بہت واضح طور پر ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر

پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۴۔ سورہ اعراف' آیت نمبر ۱۲۶ (ترجمہ)

"بولے سردار قوم فرعون کے' کیوں چھوڑتا ہے موسیٰؑ کو اور اس کی قوم کو"

سورہ اعراف ہی میں آگے چل کر آیت نمبر ۱۲۷ میں کہا گیا ہے۔

"موسیٰؑ نے کہا اپنی قوم سے' مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو" (ترجمہ)

یہاں واضح طور پر قوموں کا تصور نبیوں سے وابستہ نظر آرہا ہے۔

سورہ اعراف کے رکوع نمبر ۱۶ میں آیت ۱۴۱ میں اللہ تعالیٰ پھر فرماتے ہیں۔

"اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ "میرا خلیفہ رہ میری قوم میں' اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ" (ترجمہ)

اسی سورہ میں آگے چل کر رکوع نمبر۸ کی آیت ۱۵۴ میں کہا گیا۔
"اور چنے موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد" (ترجمہ)

ان قرانی حوالوں سے قوم اور قومیتوں کے دو تصورات کی تصدیق ہو رہی ہے۔ ایک فرعون کی قوم یعنی سرداروں کے سردار یا بادشاہ کے نام سے منسوب قوم اور دوسری موسیٰ کے نام سے منسوب قوم یعنی نبی کی نسبت یا مذہب کی نسبت سے۔

گویا یہ حوالے اس دور کی نشاندہی کرتے ہیں جب مختلف قبیلے اور گروہ بادشاہت یا مذہب کے بڑے دائروں میں جذب ہو کر ایک وحدت کی شکل میں منظم ہو رہے تھے لیکن یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ ان بڑے دائروں کی قوی وحدت میں شامل ہونے والے عناصر یا چھوٹے بڑے قبائل اور گروہوں کا تشخص قائم تھا اور نہ صرف قائم تھا بلکہ شناخت اور تنظیمی بہتری کے لئے ان کا تشخص قائم رکھنے یا نئے فرقوں کے وجود میں آنے کو مذموم یا تخریبی فعل نہیں سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ خداوند قدوس نے اپنی پسندیدہ قوم میں فرقوں کے وجود کو نہ صرف پسند کیا بلکہ خود اسے فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔

سورہ اعراف کے رکوع نمبر۹ آیت نمبر۱۵۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
"اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک فرقہ والے راہ بتاتے ہیں حق کی اور اس پر انصاف کرتے ہیں اور ہم نے ان کو بانٹ کر کیا کئی فرقے" (ترجمہ)

سورہ اعراف میں پھر ارشاد ربانی ہے
"بارہ داداؤں کے پوتے، اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰؑ کو جب پانی اس سے مانگا اس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر۔ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ" (ترجمہ)

اسی طرح ۲۶ویں پارہ میں سورہ حجرات میں رکوع ۱۳ کی آیت ۱۲ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اے لوگو! ہم نے تم کو پیدا کیا ایک نر اور مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں (قومیں) اور قبیلے (مختلف خاندان) تاکہ آپس کی پہچان ہو" (ترجمہ)

اس فرمان الٰہی سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ذاتیں، قبیلے قومیں اور قومیتیں شناخت یا تشخص کا مقصد پورا کرتی ہیں اور یہ بات نہ صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہے بلکہ ایجاد خداوندی ہے کہ جس سے انکار کرنا اور کسی کی شناخت یا تشخص کو تسلیم نہ کرنا یا تو سادگی و نادانی ہے یا پھر سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔

اس سے پہلے قبائلی دور کا حاصل یہ ہے کہ شکار، جنگلی پھلوں اور گلہ بانی پر انحصار کرنے والا خانہ بدوش قبائلی معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے زرعی آبادیوں والے جاگیردارانہ معاشرے

میں تبدیل ہو گیا جسے دوسرا دور یا جاگیردارانہ دور کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا دور یا جاگیردارانہ دور

نیا معاشرہ پرانے معاشرہ کی زندگی اور اس کے عام تقاضوں کے علاوہ اس کے افکار میں بھی تبدیلیاں لاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاگیردارانہ دور میں بدوانہ قبائلی دور کے قوم اور قومیت سے متعلق تصورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں' جاگیروں کے مجموعوں سے ریاستیں اور راجوڑے بنتے ہیں۔ 'ریاستوں اور راجوڑوں سے بادشاہتیں اور شہنشاہیتیں وجود میں آتی ہیں جس کی وجہ سے ریاستی' علاقائی اور مملکتی قوم کے تصور کی بنیاد پڑتی ہے 'یعنی اب قوموں کا نام سردار قبیلہ 'نبی 'مذہب یا بادشاہ کے نام سے منسوب ہونے کے ساتھ ساتھ علاقے' ریاست اور مملکتوں یا سلطنتوں کے نام سے بھی منسوب ہونے لگا۔ "یہاں یہ تذکرہ بھی نہایت ضروری ہے کہ پاکستان کے موجودہ صوبوں میں تاحال کہیں قبائلی اور کہیں جاگیردارانہ نظام اپنی پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہے۔"

تیسرا دور یا جدید صنعتی دور

ریاست یا مملکت خصوصاً وفاقی مملکت کسی ایک جزو پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے 'ان اجزاء کی بنیاد ثقافتی' معاشرتی اور لسانی ہوتی ہے۔

یہ تمام اجزاء ایک اکائی کی صورت میں بحیثیت ایک قوم اس وقت تک متحد رہتے ہیں جب تک ان کے معاشی مفادات پر ضرب نہ پڑے اور جب ان اجزاء کے لسانی' ثقافتی' اور معاشرتی اور تہذیبی تشخص کو بنیاد بنا کر ان کے معاشی مفادات کو ضرب پہنچائی جائے تو یہ اکائی ٹوٹنے لگتی ہے۔ نئی اکائیاں اور نئی قومیں جنم لیتی ہیں اور پھر نئے جغرافیے اور نئی تاریخیں وجود میں آتی ہیں۔

آج کے دور میں قوم اور قومیتوں کی جو تعریف متعین کی جاتی ہے وہ جدید عہد کے صنعتی دور کی پیدا وار ہے 'یعنی قبائلی دور اور زراعتی یا جاگیردارانہ دور کے بعد کا زمانہ۔ اس عہد کا آغاز اگرچہ پولینڈ میں قومیت کے جدید تصور سے ابھرا' لیکن انقلاب فرانس ۱۷۸۷ء نے ایک تاریخ ساز نظریہ آزادی (Liberty) اخوت (Faternity) اور مساوات (Equality) کا تصور پیش کیا اس تصور نے بادشاہی نظام کے دن پورے کر دیئے۔ عظیم انقلاب فرانس برپا ہوا اور جاگیردارانہ نظام فرانس سے ختم ہو گیا۔ اس نظام کو فرانس کے بعد پورے یورپ نے اپنایا اور ترقی کی نئی شاہراہیں کھول دیں۔ انقلاب فرانس کے ارد گرد ایک شاندار صنعتی انقلاب انگلینڈ میں رونما ہوا۔ جاگیرداری دور کے تصورات ختم ہوئے اور صنعتی دور کے تصورات ابھرنے لگے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب پوپ اور کلیسا نے سیاسی اقتدار حاصل کر رکھا تھا جسے یورپ کے جدید صنعتی عہد نے ان سے چھین لیا۔ "یورپ جدید صنعتی عہد میں

قدم رکھتے ہی مذہب کو نیشنلزم (قومیت) کی بنیاد پر پیچھے چھوڑ گیا اور یورپی اقوام اپنی مصنوعات کی منڈیوں کے لئے نئی آبادیاں (Colonies) تلاش کرنے لگیں۔

ایلبوقرق نے جنوبی ہندوستان اور مشرق بعید کا راستہ تلاش کیا۔ واسکوڈے گاما نے افریقہ کے ساحلوں کا چکر لگایا اور "راس امید" (Cape of good hope) سے گزرا۔ آسٹریلیا کو سڈنی نے تلاش کیا۔ غرض یہ کہ بحری راستوں کی تلاش' معاش کی تلاش اور نئی منڈیوں کی دریافت کا ایک سلسلہ تھا۔ اسی دور میں انقلاب فرانس اور انقلاب انگلینڈ کے بعد "جون اسٹیوارٹ مل" نے جمہوریت کا تصور پیش کیا اور آدم اسمتھ نے "دولت اقوام" (Wealth of Nations) لکھ کر جدید قومی نظریہ کی بنیاد فراہم کی۔

قوم اور قومیت

اس بحث کے بعد قوم اور قومیت کا فرق واضح ہے۔ اس فرق کو مختصراً کچھ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ پہلے سردار جاگیردار' نبی یا مذہب کے نام سے قوم پہچانی جاتی تھی' اس کے بعد مملکتوں کی بنیاد پر' اسی زمانے میں آگے چل کر ملکی بنیاد پر قوم کا تصور شدید ہوتا چلا گیا اور اسی بنیاد پر بین الاقوامی معاملات کو نمٹانے کے لئے پہلے "لیگ آف نیشنز" نئی جواب "یونائیٹڈ نیشنز" یا "اقوام متحدہ" کہلاتی ہے۔ یہاں ملک اور قوم کا تصور ہم معنی ہوگیا۔ جغرافیہ اور مملکتوں کے حوالے سے قوم کی پہچان اور شناخت قرار پائی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پہلے پہل اقوام متحدہ میں ممالک کی تعداد کم تھی اور اب ۱۵۳ ملک اس کے ممبر ہیں۔

اقوام متحدہ کے وجود میں آنے کے بعد سے اب تک کئی نئے ملک اور قومیں' دنیا میں پہلے سے موجود ملکوں اور قوموں سے الگ ہو کر اس تنظیم میں شامل ہوئیں۔ کچھ ممالک اور قومیں جب انگریزوں اور فرانسیسیوں کے نوآبادیاتی نظام سے آزاد ہوئیں تو ایک جغرافیہ سے ایک ساتھ کئی ممالک اور قومیں وجود میں آئیں۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قوم ایک ہی جغرافیہ میں مزید قوموں کو جنم دیتی ہے۔ دراصل قوم ایک سیاسی یا جغرافیائی وحدت میں رہنے والی آبادی کو کہتے ہیں اور آج کل قومیں ملک کے نام سے پہچانی جاتی ہیں مثلاً ہندوستانی' پاکستانی' اردنی' سعودی' یمنی' انڈونیشی' ٹھینی اور چینی وغیرہ وغیرہ۔

دراصل قومیت کی ضرورت کسی قوم میں اس لئے ہے کہ بعض ممالک کی جغرافیائی حدود بہت وسیع ہیں جن میں مختلف نسلوں کے لوگ رہتے ہیں ان کی زبانیں بھی مختلف ہیں اور ثقافت بھی۔ ان کا نفسیاتی ردعمل بھی مختلف ہے' اس لئے وہ ایک قوم یا ایک ملک کے جغرافیہ میں بحیثیت ایک قومیت مذکورہ بالا عناصر کی بنیاد پر اپنا قومیتی تشخص برقرار رکھتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ "ملک کسی جزو واحد پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اجزاء کا مجموعہ ہوتا ہے' مختلف اجزاء مختلف لسانی' ثقافتی اور معاشرتی گروہ کے مجموعے کو اگر ایک

حدود میں تعین کر دیا جائے تو وہ ایک قوم کہلاتی ہے۔"

بہت پہلے نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریہ کی بنیادیں مستحکم کر دی گئی تھیں۔ اس نظریہ کی بنیاد سرسید احمد خان نے عمل کے میدان میں جدوجہد کرتے ہوئے رکھی۔ اس لئے یہ کہنا ہی تاریخی انصاف ہے کہ دو قومی نظریہ کے خالق سرسید احمد خان تھے تاہم یہ بات مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ آج کل جس طرح دو قومی نظریہ کو پیش کیا جارہا ہے وہ سرسید کے پیش کردہ دو قومی نظریہ سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ سرسید نے برصغیر میں موجود تمام مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور ہندوؤں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے، لیکن ہم نے صرف اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں ہی کو ایک الگ قوم قرار دیا اور اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مسلم قوم سے خارج کر دیا۔



11 جون 1981ء کو اے پی ایم ایس او کے تیسرے سالانہ اجلاس میں ڈاکٹر فاروق ستار کو تحفہ دیا جارہا ہے

سرسید احمد خان کے دو قومی نظریہ پیش کرنے سے پہلے ہندوستان میں رہنے والے تمام افراد بلا تخصیص مذہب ایک اکائی تصور کئے جاتے تھے۔ سرسید احمد خان کی دور بین نظروں نے جب یہ دیکھا کہ ہندوؤں کی سیاسی سرگرمیاں اپنے نقطۂ عروج پر ہیں اور انگریزوں کا دست شفقت بھی انہیں حاصل ہے اور مسلمان ابھی تک اپنی سیاسی صفوں کو درست کرنے میں ناکام رہے ہیں تو انہوں نے واضح طور پر اپنے "رسالہ تہذیب الاخلاق" اور عوامی خطابات میں تلقین کی کہ برصغیر کے مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ہندو ایک الگ قوم۔ اس کے بعد جب آل انڈیا کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو پھر مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ "خبردار مسلمانو! یہ ہندوؤں کی جماعت ہے اس میں مت جانا..... کیونکہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ہندو الگ قوم۔"

۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۴ء تک سرسید احمد خان کا دو قومی نظریہ مسلمانوں کو ان کے علیحدہ تشخص کا احساس دلاتا رہا۔ آخر کار ۱۹۰۵ء میں نواب وقار الملک، محسن الملک اور سر آغا خان نے ایک عرض داشت تیار کی اور اسے سرکار برطانیہ کو پیش کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ ابھی علیحدہ وطن کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ مسلمانوں کے معاشی مستقبل اور حقوق کو تحفظ دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب سرسید احمد خان کا دو قومی نظریہ مسلمانوں میں فکری انقلاب لا چکا تھا اور اب ضروری تھا کہ مسلمان اپنی سیاسی صفیں درست کر لیں، جس کے لئے ۱۹۰۶ء میں سر آغا خان، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور نواب سلیم اللہ خان نے ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ یہ وہ وقت تھا جب دو قومیتوں کا تصور تیزی سے ابھرتا تھا اگرچہ ابھی ایک ہندوستان تھا اور ایک جغرافیہ تھا مگر قومیت کی بنیاد پر دو الگ تحریکیں تیزی سے اپنے گروہوں کو متحد کر رہی تھیں۔

۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۰ء تک دو قومیتوں کا تصور پھلتا پھولتا رہا اور ۱۹۴۰ء کے بعد مسلمانوں نے بحیثیت ایک الگ قوم پاکستان کا مطالبہ پیش کیا جس میں قوم کے ساتھ وطن اور زمین سے وابستگی اور شناخت کا فلسفہ کارفرما تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ دو قومی نظریہ نے مسلم قومیت کو جنم دیا اور مسلم قومیت عروج پا کر ایک الگ قوم بنی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے میں ایک نئے ملک "پاکستان" کا اضافہ ہوا اور ایک نئی قوم "پاکستانی" ابھر کر سامنے آئی جو اب اقوام متحدہ کی رکن ہے۔ اس طرح ایک ملک سے دوسرے ملک نے اور ایک قوم سے دوسری قوم نے جنم لیا۔

مہاجر قومیت کی ابتداء

مہاجر قومیت کی ابتدا دو قومی نظریہ سے ہوئی۔ پاکستان بن گیا جو اب اقوام متحدہ کا ممبر ہے اور اقوام متحدہ میں قوم ملک سے پہچانی جاتی ہے اور قوم وہ ہوتی ہے جو مختلف قومیتوں کے ملاپ سے بنتی ہے۔ جہاں ایک قوم ہوگی وہاں قومیتیں ضرور ہوں گی۔ پاکستان کو لیجیے 'بنگالی' 'پٹھان' 'سندھی' 'پنجابی اور بلوچ

وغیرہ کیا ہیں؟ جبکہ قوم ایک ہے ، پاکستان ایک ہے ، ملک ایک ہے لیکن اس میں کئی قومیتیں موجود ہیں قیام پاکستان کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنگالیوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ انہیں اپنے مفادات' ترقی اور مستقبل خطرہ میں محسوس ہونے لگا۔ اسی عدم تحفظ کے احساس سے "بنگالی قومیت" نے فروغ پانا شروع کیا۔ یاد رہے کہ یہ وہی بنگالی تھے جنھوں نے پاکستان کے لئے ووٹ دیئے تھے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک "بنگلہ" ایک قوم نہیں بلکہ صرف قومیت تھی۔ جب بنگالیوں نے دیکھا کہ ان کے مفادات خطرے میں ہیں اور ان کا تحفظ غیر یقینی ہے یعنی انہیں اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ترقی کی راہیں مسدود ہوتی نظر آئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قومیت نے اپنے آپ میں ایک الگ قوم بننے کا جذبہ پیدا کرنا شروع کیا اور اسے اس حد تک فروغ دیا کہ اس قومیت نے جو پاکستانی قوم کا ایک جزو تھی اقوام متحدہ سے خود کو ایک قوم تسلیم کرالیا۔

ہندوستان نے دو ملکوں کو جنم دیا اور اس طرح ایک قوم کی دو بڑی ذیلی قومیتوں نے دو قوموں کا روپ دھار لیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے قومیت پیدا ہوتی ہے جو بعد میں حالات کی وجہ سے قوم بھی بن سکتی ہے۔ ہندوستان کی تقسیم سے پہلے دو قومیتوں کا نظریہ سامنے آیا اور اس کے بعد دو قومیں وجود میں آئیں۔ پہلے قومیتیں وجود میں آئیں یعنی مسلمانوں کو احساس ہوا کہ ہمیں بھی کچھ ہونا چاہئے ، ہماری بھی حیثیت کا تعین ہونا چاہئے اور اصل بات بھی حیثیت کے تعین کی تھی مگر جب ہندوؤں سے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ اب ہندوؤں سے اتحاد نہیں رہ سکتا تو مطالبہ نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا۔ یعنی ایک بالکل علیحدہ وطن درکار ہے۔ یہی صورت حال بعد میں یہاں پیش آئی۔ بنگالیوں نے کہا کہ ہمیں ہمارے حقوق دے دو۔ مگر یہاں کے عاقبت نااندیش حکمرانوں اور نوکر شاہی نے ایک نہ سنی اور بدقسمتی سے پاکستان ۱۹۷۱ء کے بعد ایک کے بجائے دو قوموں میں بٹ گیا۔ یعنی ایک پاکستانی اور دوسرے بنگلہ دیشی قوم۔

۱۹۷۱ء سے قبل پاکستان اقوام متحدہ کی تسلیم شدہ اکائی تھا ، اس کی سیاسی جغرافیائی حدود کی سالمیت غیر متنازعہ اور محترم تھی لیکن بنگلہ قومیت نے اپنی جدوجہد انتہا تک پہنچا کر جب اپنے حق خود ارادیت پر اصرار کیا تو دنیا والوں کو بنگلہ دیش تسلیم کرنا ہی پڑا۔ ہندوستان سے علیحدہ ہونے والا ملک پاکستان اب مزید دو ملکوں یعنی بنگلہ دیش اور پاکستان میں تقسیم ہو گیا اور اس کا سبب تھا یعنی پہلے احساس محرومی' تحفظ و ترقی سے مایوسی پھر قومیت کا شعور اور اس میں اضافہ "اسی طرح قومیتیں ایک قوم بن جاتی ہیں۔ آج بنگلہ دیش کے لوگوں کو آپ "بنگلہ قومیت" نہیں کہیں گے۔ بلکہ "بنگلہ قوم" کہیں گے۔ تجربہ اور تاریخ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر طاقت کے ذریعہ کسی فیڈریشن کے عناصر یا یونٹوں کے حقوق پامال کئے جائیں گے یا مساویانہ حقوق دینے کے بجائے انہیں رعایا بنانے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ یہی کہ ۹۳ ہزار فوج ہو گی جو لاچار و مجبور ہو جائے گی' دس لاکھ افراد کا خون بہے گا ، اور ایک قومیت قوم بن جائے گی۔

ممتاز دانش ور پروفیسر یوری گنکوفسکی نے اپنی کتاب Peoples of Pakistan میں پاکستانی قومیتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں مہاجر قومیت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے' مگر اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں چار مختلف قومیتوں کا وجود ہے جس سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ پروفیسر گنکوفسکی نے اپنی اس کتاب میں صفحہ ۱۲ پر واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ ہندوستان سے ترک وطن کر کے آنے والے جنوبی سندھ میں اکثریت میں ہیں۔

قومیت کا تشخص قائم رکھنے کی خواہش

قوم اور قومیت کے بارے میں ماضی اور حال کے جملہ نظریات اور ان کے حوالے سے آزاد ملکوں یا علاقوں یا آزاد صوبوں یا آزاد ریاستوں کا وجود فطری اور بنیادی طور پر معاشرے کی ضرورت کی پیداوار ہے اور معاشرہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افراد کسی قبیلہ' گروہ' علاقے 'صوبے' ریاست' ملک یعنی قوم اور قومیت کے دائرہ میں کس لئے منظم ہوتے ہیں اور کسی معاشرہ کا حصہ کیوں بنتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی بقا کے لئے حال و مستقبل کی بہتری کے لئے اور اپنی امنگوں کے مطابق زندگی گزرانے کے لئے منظم ہوتے ہیں دوسرے لفظوں میں ملک اور قوم کا وجود اپنے دائرے میں رہنے والے جملہ افراد کے سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی تحفظ و ترقی کے لئے ظہور میں آتا ہے۔ یعنی سیاسی' اقتصادی و ثقافتی تحفظ و ترقی کی خاطر ایک جیسے یعنی مشترکہ مفادات رکھنے والے افراد قوم یا قومیت کی تشکیل کرتے ہیں اور ملک کے عناصر ترکیبی اس نظریہ ضرورت کے تحت وجود میں آتے ہیں اور یہ عناصر صوبوں' ریاستوں یا قومیتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

اگر کسی ملک کے رہنے والے جملہ افراد اس ملک میں اپنے سیاسی' لسانی' اقتصادی اور ثقافتی تحفظ و ترقی کے لئے یکساں مواقع رکھتے ہوں تو اس ملک میں قومیتوں مثلاً پنجابی' سندھی' بلوچی اور پختون کا تصور کمزور ہو جاتا ہے اور متحدہ قوم کا تصور مضبوط ہو جاتا ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو متحدہ قوم کا تصور کمزور اور قومیتوں کا تصور مضبوط ہو جاتا ہے۔

یعنی کسی متحدہ قوم کے عناصر ترکیبی تحفظ و ترقی کے یکساں مواقع سے محروم کر دئے جائیں۔ ان کے مابین برابری کے بجائے حاکم و محکوم یا جابر و مظلوم کے احساسات پیدا ہو جائیں تو وہ متحدہ قوم اپنے اس رویہ کی بنا پر اپنے اندر مختلف قومیتوں کے ابھرنے کا جواز پیدا کرتی ہے۔ ابتدا میں قومیت کی تحریک کا مقصد صرف اپنے حقوق کا حصول اور ان کے تحفظ کی ضمانت ہوتا ہے' حقیقت پسندی' رواداری اور مصالحت سے کام لیا جائے تو وہ اپنا اطمینان حاصل کر کے متحدہ قوم کا فعال عنصر بن جاتی ہے۔ البتہ جب اس کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے' اس کے مطالبات کو اور اس کی تحریک کو غیر ملکی سازش یا غداری کہہ کر بے رحمی کے ساتھ کچلا جاتا ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے۔ تحریک پاکستان اور تحریک بنگلہ دیش اسی تاریخی کلیہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مہاجر قومیت کا تصور اسی تاریخی کلیہ کے تحت وجود پا رہا ہے۔ اس حقیقت سے کسی گروہ یا طبقے کو انکار ممکن نہیں کہ مہاجر اس ملک کا انتہائی فعال عنصر ہیں' پاکستان کو وجود میں لانے کے لئے ان کی قربانیاں سب سے زیادہ ہیں۔ مہاجروں نے اس مملکت کا ابتدائی ڈھانچہ سنبھالنے اور سنوارنے میں دوسروں سے زیادہ خدمات انجام دی ہیں۔ اس ملک کی صنعتی اور اقتصادی ترقی میں مہاجروں کی ماہرانہ محنت کا غالب حصہ ہے۔ ملک کی سیاسی و پیشہ ورانہ تنظیموں اور تحریکوں میں مہاجر ہمیشہ سے ہراول دستے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم و ادب' صحافت و نشریات' فنون لطیفہ یا تعمیرات' ملک کا کون سا ایسا شعبہ ہے جسے سنوارنے اور ترقی دینے میں مہاجروں کا بنیادی کردار نہ رہا ہو۔ لیکن صلہ .....؟ دو فیصد کوٹہ' ڈومیسائل' دیہی شہری کی تفریق' حیثیت دوسرے درجہ کے شہری کی' نتیجہ یہ ہے کہ ترقی کا مستقبل تاریک ان کی ایک نسل اس وطن کی مٹی میں دفن ہو چکی ہے' دوسری نسل آخری ہچکیوں میں ہے اور تیسری پروان چڑھ چکی ہے۔ پھر بھی فرزند زمین نہیں..... اقتدار اعلیٰ میں کوئی حصہ نہیں۔ ملازمتوں میں گنجائش برائے نام۔ فنی اداروں میں داخلے محدود۔ موجودہ نسل کے سامنے ایسے حالات ہوں تو آئندہ نسل کا کیا ٹھکانہ ایسے میں قومیت کا احساس و شعور پیدا نہ ہوگا' حقوق کی جدوجہد نہ کی جائے گی' مستقبل کی ضمانت حاصل نہ کی جائے گی تو اور کیا کیا جائے گا؟

ایک جیسے حالات و مفادات رکھنے والوں کی قومیت' ایک جیسا آغاز و انجام رکھنے والوں کی قومیت اور ایک جیسی روایات و ثقافت رکھنے والوں کی قومیت کے وجود کے بارے میں کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ مسلسل مہاجر قومیت کے انکار پر بضد ہیں۔ ان کے عقل و فہم میں مہاجر قومیت کا تصور واضح کرنے کے لئے میں چند اور نکات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا گیا ہے کہ پاکستان کے موجودہ صوبوں میں تا حال کہیں قبائلی اور کہیں جاگیردارانہ نظام اپنی پوری قوت کے ساتھ کار فرما ہے جب کہ مہاجروں میں نہ تو عہد قدیم کا قبائلی نظام رائج ہے' نہ دوسرے دور کا جاگیرداری نظام بلکہ مہاجر قومیت کے جدید صنعتی عہد سے وابستہ ہیں۔ اس لئے مہاجر قومیت کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ قومیت کے جدید تصور سے نکل کر پچھلے دور کے جاگیردارانہ نظام میں جذب ہو جائیں' یقیناً ناممکن ہے بلکہ تاریخ کے پہیے کو الٹا گھمانے کی ناکام کوشش ہے۔

جس طرح مہاجر قومیتی تصور کے جدید صنعتی عہد سے وابستہ ہیں' اسی طرح مہاجروں کی تہذیب اور ثقافت بھی جدید عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس کے لئے بنیادی جزو کے طور پر مہاجروں کے ایک بڑے طبقہ میں مادری زبان کی حیثیت سے بولی جانے والی زبان "اردو" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ زبان اگرچہ تاریخی اعتبار سے اتنی پرانی نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ مفکر' فلاسفر' سائنسدان' ادیب' صحافی' شاعر' افسانہ نگار' تاریخ دان اسی زبان میں پیدا ہوئے۔ اسی

زبان نے زندگی اور معاشرے کے ہر موضوع پر معلومات کا خزانہ فراہم کر کے معاشرہ کی تمام اقدار کا احاطہ کیا جب کہ پاکستان میں بولی جانے والی دیگر زبانیں تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے ہزارہا سال پرانی ہیں مگر وہ جدیدیت کو اپنانے میں ابھی تک ناکام رہی ہیں۔ اسی لئے اردو زبان نئی ہونے کے باوجود معلومات کا سب سے زیادہ خزانہ اور لٹریچر رکھتی ہے۔

اس کا دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ غیر ملکی ادب اگر منتقل ہوا ہے تو سب سے زیادہ اردو زبان میں اور وہ صرف اس لئے کہ اردو زبان جدید عہد کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس زبان میں ہر موضوع پر قلم اٹھایا جاسکتا ہے اور یہی اس زبان کی خاص خوبی ہے۔

مہاجر نہ پختون ہیں' نہ سندھی' نہ پنجابی اور نہ بلوچ تو پھر مہاجر کون ہیں! یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ سندھی بھی ہمیں مہاجر کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں' پنجابی بھی ہمیں مہاجر کہتے اور سمجھتے ہیں' پختون بھی ہمیں مہاجر کہتے اور سمجھتے ہیں اور بلوچ بھی ہمیں مہاجر کہتے اور سمجھتے ہیں اور یقیناً ہم اپنی زبان' ثقافت' مفادات' رہن سہن اور طور طریق سے جو دوسروں سے قطعی الگ ہے' صاف پہچانے جاتے ہیں۔

اس اعتبار سے مہاجر کسی طرح بھی پاکستان کی چار تسلیم شدہ قومیتوں (پنجابی' پٹھان' بلوچ' اور سندھی) سے نظریہ قومیت کی بنیاد پر میل نہیں کھاتے۔ اس لئے مہاجروں کی یقیناً ایک الگ اور منفرد حیثیت ہے اور یہ الگ اور منفرد حیثیت ہی مہاجر قومیت کا ایک مضبوط استدلال اور جواز ہے۔

پاکستان میں ۱۹۴۷ء کے بعد نمودار ہونے والے مہاجرین کے قافلے جو اپنے ساتھ صرف جسم ہی نہیں لائے بلکہ اپنے ساتھ تہذیبی انقلاب اور ذہنی بیداری بھی لائے تھے۔ ہجرت کے اس عمل میں مہاجر برصغیر کی بے مثال تہذیب' گراں قدر روایات' یگانہ تاریخ اور مشترک اردو کلچر کے انمول خزانے ساتھ لائے تھے۔

معنوی اعتبار سے ہجرت منتقلیٔ وطن کو کہتے ہیں مگر پاکستان میں برصغیر کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی ہجرت ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ہجرت کا یہ عمل صرف چند افراد کا عمل نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑے گروہ کا عمل تھا کہ جس کی عظیم ثقافت کا تعلق برصغیر کے کسی مخصوص علاقہ سے نہیں تھا بلکہ یہ برصغیر کی مشترک روحانی زندگی کا مظہر' مشترک فنون لطیفہ' طرز معاشرت' فلسفیانہ انداز فکر اور مختلف قومیتوں کے گہرے ذہنی اتحاد اور روزمرہ کے سماجی میل جول کا نتیجہ تھا اور اس عمل کو ملک کے ممتاز دانشور اور تاریخ داں پیر سید حسام الدین شاہ راشدی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"پورا ہندوستان اجڑا تو کہیں جا کر کراچی آباد ہوا" (ماہنامہ قومی زبان دسمبر ۱۹۸۲ء)

ایم کیو ایم کی مقبولیت کی وجہ

مہاجروں کے نام پر ایم کیو ایم سے پہلے جو تنظیمیں بنیں انہیں مقبولیت حاصل نہ ہو سکنے کے دو بڑے اسباب ہیں ایک تو یہ کہ وہ تنظیمیں زیادہ تر کاغذی حد تک

تھیں' دوسری بات یہ ہے کہ ان کی ڈوریاں پس پردہ بیٹھے ہوئے کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھیں جب کہ ان کے ظاہری عہدے دار کوئی اور ہوتے تھے اس کے برخلاف ایم کیو ایم کی ڈوریاں انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو اس تنظیم کو چلا رہے ہیں یعنی اس کے عہدے دار اور اس کے کارکن۔ کوئی سرمایہ دار' جاگیردار یا وڈیرہ نہ کل ہمارے پیچھے تھا نہ آج ہمارے پیچھے ہے۔ ہم بڑے فخر کے ساتھ اعلانیہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی صرف پاکستان کی تاریخ میں نہیں بلکہ پورے برصغیر کی تاریخ میں ایسی کوئی تنظیم بتا جائے جسے ورکنگ کلاس اور لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے بنایا ہو اور اس کے قائدین اس کے رہنما' اس کے عہدیدار اور اس کے کارکن بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں بیشہ یہ ہوتا تھا کہ غریبوں کی باتیں تو بہت کی جاتی تھیں لیکن وہ باتیں کرنے والے ایسے لوگ ہوتے تھے جنہوں نے غربت کا مزا ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چکھا ہوتا تھا وہ کیا جانیں غریبوں کے مسائل اور غریبوں کی پریشانیاں کیا ہوتی ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ غریبوں کے لئے بچوں کو تعلیم دلانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ عید پر بچوں کے کپڑے بنانے کتنے مشکل ہوتے ہیں انہیں کیا پتہ کہ بسوں کا سفر کیا ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں کہ غریب اور عام ملازمت پیشہ فرد کے گھر میں جب مہینہ کی آخری تاریخیں آتی ہیں تو کس کس طرح ہاتھ کھینچ کر پیسہ خرچ کیا جاتا ہے اور ایک ایک دن گن گن کر پہلی تاریخ کا انتظار کیا جاتا ہے۔

ایم کیو ایم پاکستان میں پہلی تحریک ہے جو نہ صرف غریبوں نے بنائی بلکہ اس کے چلانے والے بھی غریب ہیں اور ہماری کامیابی کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے۔ دوسری تنظیمیں وائیں بائیں سہارے تلاش کرتی رہیں لیکن ہم نے اپنی قوت بازو پر بھروسہ کیا۔ وہ لوگ غریبوں کی تنظیم کا سہارا کیسے بن سکتے ہیں جو خود کبھی غربت کے مسائل کا شکار ہی نہ ہوئے ہوں اور جو آپ کی مدد صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں اپنا مفاد عزیز ہے اور وہ آپ کو صرف آلہ کار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے ہماری کامیابی کے اسباب یہ بھی ہیں کہ ہم نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ اور سائنٹیفک انداز میں کام کیا دوسرے ہمیں انتہائی مخلص' بے لوث اور دیانت دار ساتھی ملے جن کے تعاون سے ہم نے ایم کیو ایم کو اس منزل تک پہنچایا۔ ہم نے کسی کی سرپرستی قبول کرنے کی بجائے ایم کیو ایم کی سرپرستی اپنے ساتھیوں کے ہاتھ میں دی ہے اس تحریک کو خود مہاجر کارکن چلا رہے ہیں وہی اس کے تمام فیصلے کرتے ہیں۔ اپنی مدد آپ کے اصول پر چلنے والی یہ پاکستان کی واحد تحریک ہے۔

ایم کیو ایم سے دشمنی

پچھلے طویل عرصہ سے بیورو کریسی اور مہاجر دشمن عناصر کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ کراچی میں کرائے کے لوگوں سے مصنوعی ہنگامے کرا کے ایم کیو ایم کے لوگوں کو اس قدر مصروف اور پریشان رکھا جائے کہ وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر آئندہ کے لئے اپنی کوئی حکمت عملی اور لائحہ عمل متعین ہی نہ کر سکیں۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد اپنے بیانات میں تقریروں اور کراچی پریس کلب کے

پروگرام "میٹ دی پریس" سے خطاب کرتے ہوئے میں نے انتہائی مثبت رویہ اختیار کیا۔ اور یہ تک کہا کہ اگر پچھلے دس برس کے دوران میری کسی تقریر سے، کسی تحریر سے کسی بات سے کسی کو تکلیف پہنچی ہے تو میں اس سے معافی چاہتا ہوں لیکن جو قوتیں یہ نہیں چاہتیں کہ مہاجر کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں انہوں نے میری اپیلوں اور میرے خیر سگالی کے جذبات پر کسی مثبت ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنا مخالفانہ پروپیگنڈہ اور معاندانہ رویہ جاری رکھا۔ کراچی اور حیدر آباد میں حق پرست کونسلروں کی کامیابی کے بعد انہیں ناکام بنانے کے لئے مخالفوں نے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ مصنوعی طریقوں سے شہر کی گٹر لائنیں بند کی گئیں، پولی تھین کے تھیلوں میں بجری بھر بھر کر گٹروں میں ڈالی گئی۔ خاکروبوں کو رشوتیں دے کر ہڑتال کرنے پر اکسایا گیا۔ شہر میں سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر لگائے گئے۔ خاکروبوں کو ورغلایا گیا کہ اگر آپ حالات خراب کر کے ایم کیو ایم کو ناکام نہیں کریں گے تو یہ لوگ آپ کو نوکریوں سے نکال دیں گے۔ تھیلوں میں مٹی اور بجری بھر بھر کر گٹر لائنوں میں ڈالی۔ اینٹیں ڈال ڈال کر گٹر بند کئے تاکہ شہر بھر کے گٹر ابلنے لگیں اور شہری کہیں کہ جب سے ایم کیو ایم آئی ہے تب سے شہر بھر میں گندگی شروع ہو گئی۔ ایسا ہوا، گٹر ابلے لیکن اب مہاجر عوام اس قدر باشعور ہو چکے ہیں کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ سب ایم کیو ایم کو ناکام کرنے کی ناپاک کوششیں ہیں۔ دوسری طرف جب خاکروبوں نے ہڑتال کی تو ہمارے کونسلروں اور ایم کیو ایم کے کارکنوں نے خود گلیوں میں جھاڑو لگائی اور اپنے ہاتھوں سے صفائی کی۔ بلدیاتی انتخابات کے بعد شہر میں ہمارے مخالفین نے جو یہ حرکتیں کی ہیں وہ دراصل مہاجر قومی موومنٹ کے خلاف گھناؤنی سازشوں کا ایک حصہ ہیں لیکن انشاءاللہ یہ تمام گھناؤنی سازشیں ناکام ہو جائیں گی اور ہمارے مخالفین اپنے ریکارڈ کو مزید گندہ کریں گے اس کے سوا کچھ نہیں ہو گا کیونکہ مہاجر عوام کو دوست دشمن کی تمیز ہو چکی ہے اور اب آخر عوام ہمارا ساتھ کیوں دیتے ہیں اس لئے کہ پچھلے چالیس سال کے دوران کسی کونسلر نے کبھی ہاتھ میں جھاڑو نہیں پکڑی لیکن ہمارے کونسلروں نے نہ صرف سڑکوں پر جھاڑو دی بلکہ اپنے ہاتھوں سے گٹر صاف کئے۔

اب ہر طرف سے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ بلدیاتی اداروں میں ایم کیو ایم کو ناکام بنا دیا جائے تاکہ آئندہ عوام اس کا ساتھ نہ دیں۔ میئر اور ڈپٹی میئر سے اختیارات چھین لئے گئے ہیں کونسلروں کو یہ اختیار تک نہیں ہے کہ وہ شناختی کارڈ کے فارم کی تصدیق کر سکے۔ پاسپورٹ کے درخواست فارم کو تصدیق کر سکے۔ دوسری طرف مخالف جماعتوں نے طرح طرح کے پمفلٹ نکالنے شروع کر دیئے کہ اب ایم کیو ایم کے کونسلر منتخب ہو گئے ہیں تو عوام کو نوکریاں کیوں نہیں مل رہی ہیں۔ پولیس کا مسئلہ حل کیوں نہیں ہو رہا ہے اور شہر کے دوسرے مسائل حل کیوں نہیں ہو رہے ہیں۔ اس پروپیگنڈہ کا مقصد سادہ لوح عوام کو ایم کیو ایم سے بدظن کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے کہ بلدیاتی اداروں کے اختیارات محدود ہوتے ہیں دائرہ کار محدود ہوتا ہے اور پہلے جو اختیارات ہوتے تھے اب وہ بھی چھین لئے

گئے ہیں۔ ایک منظم مہم کے ذریعہ عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایم کیو ایم کے کونسلر وہ سارے مسائل بھی حل کرا دیں گے جن کا تعلق صوبائی یا وفاقی حکومت سے ہے۔ مگر خدا کا فضل ہے کہ مہاجر عوام اس سازش کی تہہ کو پہنچ چکے ہیں اور انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ بلدیاتی اداروں کے اختیارات کس حد تک ہیں اور ایم کیو ایم اس وقت کن مشکلات اور مسائل سے دوچار ہے۔

مجھے یقین ہے کہ میرے بھائی 'میرے بزرگ' میری مائیں اور میری بہنیں ان حالات سے بد دل نہیں ہوں گی بلکہ ایم کیو ایم کی راہ میں جو روڑے اٹکائے جا رہے ہیں مہاجر عوام ان کا مقابلہ بھی اسی جوش و جذبہ اور خلوص و محبت سے کریں گے جس کا مظاہرہ انہوں نے بلدیاتی انتخابات کے موقع پر کیا تھا۔

کراچی میں مسلسل ہونے والے ہنگاموں کے ضمن میں میں یہ واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ان ہنگاموں میں مرکزی طور پر ڈرگ مافیا کا ہاتھ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دوسری مہاجر دشمن جماعتیں بھی اس سلسلے میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان ہنگاموں کے لئے ڈرگ مافیا کے آلہ کاروں کو خریدا جاتا ہے ہنگامے کرائے جاتے ہیں پھر انہیں مہاجر پنجابی یا مہاجر پٹھان فساد کا نام دیا جاتا ہے۔

اس وقت ان تنظیموں میں سے کوئی میدان میں نہیں آئی۔ آج یہ تنظیمیں بہت واویلا مچا رہی ہیں اور اخوت و بھائی چارہ کا زبانی درس دے رہی ہیں کیا انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے کہ علی گڑھ کالونی اور قصبہ کالونی میں کس طرح قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا معصوم شیر خوار بچوں کو زندہ آگ میں جھونکا گیا شاہ فیصل کالونی 'لیاقت آباد' ناظم آباد میں کس طرح نہتے لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ان کے گھروں کو پھونک دیا گیا۔ سہراب گوٹھ میں اور حیدر آباد میں کس طرح ہمارے نوجوانوں کو شہید اور زخمی کیا گیا۔ ان تمام حملوں کی تفصیلات اور رپورٹیں اخبارات تک میں شائع ہو چکی ہیں۔ ثبوت موجود ہیں کہ جب علی گڑھ کالونی اور قصبہ کالونی پر حملہ ہوا تو مساجد میں لاؤڈ سپیکروں سے حملہ آوروں کو ہدایات دی جاتی رہیں اور ان کی راہ نمائی کی جاتی رہی۔

یہ درست ہے کہ ایم کیو ایم نے انتہائی نازک دور اور کٹھن حالات میں بلدیاتی نظام چلانے کا اختیار سنبھالا ہے اور فوری طور پر مخالفانہ کارروائیوں اور اوچھے ہتھکنڈوں کی وجہ سے اس کی راہیں اور بھی کٹھن ہو گئی ہیں لیکن ہمیں خدا کے فضل سے یہ اطمینان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی ان تمام حالات کو مد نظر رکھیں گے انہیں جو پریشانیاں اور مشکلات ہیں میں ان کے لئے بڑا دکھی ہوں۔ مجھے انتہائی صدمہ ہے کہ میرے بے شمار مہاجر بھائی شاہ فیصل کالونی اور گرین ٹاؤن سے بے گھر کر دیئے گئے ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں میں ان کی وجہ سے ہر دن ہر رات ہر لحہ انتہائی تکلیف میں رہتا ہوں کہ کسی طرح ان کو دوبارہ ان کے گھروں میں پہنچا سکوں اس سلسلے میں ہم اپنی بساط کے مطابق ہر ممکن جدوجہد کر رہے ہیں بھائی چارہ اور اخوت کا درس دینے والے اس موضوع پر بات کرنے سے اختلاج قلب کا شکار کیوں ہو جاتے ہیں کیا وہ ان لوگوں کے لئے جنہیں ان کے بسے بسائے گھروں سے بے گھر کر دیا گیا ہے ہمدردی

کے دو بول بھی نہیں بول سکتے اس کے برخلاف وہ ایم کیو ایم کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ایم کیو ایم کیا کر رہی ہے ایم کیو ایم اپنی بساط کے مطابق کیا کرے لیکن ایم کیو ایم ایک غریب جماعت ہے اگر ایم کیو ایم کے پاس پیسہ ہوتا' زمینیں ہوتیں تو خدا کی قسم میں بے گھر ہونے والے ان تمام مظلوم خاندانوں کو آباد کر دیتا انہیں زمینیں دے دیتا بلکہ ان کا جتنا نقصان ہوا ہے وہ پورا کر دیتا۔ کاش میں ایسا کر سکتا.....!

میں خدا کے حضور فریاد کرتا ہوں کہ اے اللہ تعالیٰ تو دیکھنے والا ہے کہ ہمیں کس کس طرح سے ناکام کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اے پروردگار عالم تو دیکھنے والا ہے کہ ہمارے خلاف کس کس طرح سے سازشیں کی جا رہی ہیں۔ تو حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے میں اس وقت بھی تیرے حضور دعا گو ہوں کہ تو ہماری مدد فرما اور جو ظالم طاقتیں اپنی طاقت کے نشہ میں ہمارے خلاف سرگرم عمل ہیں ہمیں ناکام کرنا چاہتی ہیں ہمیں بدنام کرنا چاہتی ہیں ہمیں رسوا کرنا چاہتی ہیں اے پروردگار عالم تو غیب سے ان کو نیست و نابود کر اور ہماری مدد فرما۔ ہمارے بے سہارا خاندانوں کی مدد فرما اور ہمارے مہاجر بھائیوں کو اتنا حوصلہ عطا فرما کہ وہ کبھی بھی حالات سے مایوس نہ ہوں اور ایم کیو ایم سے بد دل نہ ہوں۔ میں اپنے مہاجر بھائیوں' بزرگوں' ماؤں اور بہنوں سے کہوں گا کہ کسی بھی تحریک میں حقوق کی جدوجہد میں نہ صرف ایسی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ آگ اور خون کے سمندر عبور کرنا پڑتے ہیں۔ حقوق غصب کرنے والے لوگ کبھی خوشی اور آرام کے ساتھ کسی کو اس کے حقوق نہیں دیا کرتے ہمارے مخالفین کی چاہتے ہیں کہ ہم ڈر کر' بد دل ہو کر' مایوس ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں میں اپنے بھائیوں سے سوال کرتا ہوں کیا ہمیں مایوس ہو جانا چاہئے؟ نہیں' ہرگز نہیں! ہمیں تمام حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے میں بھی اپنے بھائیوں بہنوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے میں ثابت قدم رہوں گا۔ میرے ساتھی ثابت قدم رہیں گے اور ہم مہاجر حقوق کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

متعدد بار حملے

میرے مخالفین نے متعدد بار مجھے ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ موت کا وقت معین ہے اور جب تک خدا کا حکم نہ ہو' دشمن لاکھ کوشش کرے کسی کو مار نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے مارنے کی کوششیں تو اتنی بار کی گئی ہیں کہ ان کی پوری تفصیل مجھے یاد بھی نہیں۔ بہرحال جو خاص خاص واقعات ہیں میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

جب میں جامعہ کراچی میں زیر تعلیم تھا اور جہاں سے میں نے مہاجر تحریک کا آغاز کیا وہاں مجھ پر دو بار منظم حملے کئے گئے۔

فروری ۱۹۸۱ء میں جامعہ کراچی میں مجھ پر اور اے پی ایم سو (آل پاکستان مہاجر سٹوڈنٹس آرگنائزیشن) کے کارکنوں پر جو مسلح حملہ ہوا تھا اس کا تذکرہ مختصراً میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ اس کی

تفصیل اس طرح ہے کہ یکم فروری ۱۹۸۱ء کو جامعہ کراچی میں داخلہ مہم کا آغاز ہوا۔ ہماری آرگنائزیشن نے ایک ماہ قبل ہی داخلہ مہم کے لئے منصوبہ بندی مکمل کرلی تھی اور کارکنوں کو اس مہم میں اعلیٰ کارکردگی کا عملی مظاہرہ کرنے کے لئے ایک ماہ تک سائنٹفک انداز میں تیاری کرائی گئی تھی۔ اے



میرا سب کچھ پاکستان کے لئے ہے

پی ایم سو نے اس مہم کے سلسلے میں کراچی یونیورسٹی میں پانچ بڑے سٹال قائم کئے تھے جس میں مرکزی سٹال پوسٹ آفس کے سامنے لگایا گیا تھا جو اپنے محل وقوع اور سائز کے اعتبار سے دوسری طلبہ تنظیموں کے سٹالوں سے زیادہ نمایاں بڑا اور دیدہ زیب تھا چنانچہ وہ ہر آنے والے کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یکم فروری کو آرگنائزیشن نے ۱۸۰۰ طلبہ کو داخلہ فارم تقسیم کئے جو جامعہ کی تاریخ کا اب تک ریکارڈ ہے اس ریکارڈ کارکردگی کی وجہ سے اسی شام دوسری طلبہ تنظیموں میں کھلبلی مچ گئی اور اسی رات ان کی ہائی کمان نے آتشیں اسلحہ کے زور پر اے پی ایم سو کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس کا عملی مظاہرہ ۲ فروری ۱۹۸۱ء سے شروع ہو گیا یعنی ان لوگوں نے ہمارے محنتی اور مخلص کارکنوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

اے پی ایم سو اور مہاجر قوم کی تاریخ میں بالآخر ۳ فروری ۱۹۸۱ء کی وہ خون آشام صبح طلوع ہوئی جب مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر مہاجروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کے گناہ میں سنگین قاتلانہ حملے کئے گئے۔ صبح ساڑھے نو بجے ایک جلوس جو اردو سائنس کالج' شپ اونرز کالج' جناح کالج اور دوسرے کالجوں میں اس کے کارکنوں پر مشتمل تھا جامعہ کراچی کے مرکزی داخلہ گیٹ کی جانب سے "الطاف حسین غدار ہے' جعلی ہے" کے نعرے لگاتا ہوا برآمد ہوا اور ہمارے اسٹال کے قریب پہنچ کر اشتعال انگیز نعرے لگانے لگا۔ سو مسلح افراد پر مشتمل یہ جلوس ڈیڑھ گھنٹے تک مہاجر طلبہ و طالبات کارکنوں پر آوازے کس کس کر انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ہمارا جیالا کارکن عشرت عزیز آگے بڑھا تو ان لوگوں نے اس پر چھریوں سے حملہ کر کے اس سانحہ کا آغاز کر دیا۔ دوسرے کارکن عشرت کو بچانے کے لئے آگے بڑھے تو انہیں بھی گھیرے میں لے کر ان پر چھریوں کے پے در پے وار کئے چنانچہ وہ لہولہان ہو کر گر پڑے۔ ان کے گرتے ہی ان کی جیبوں سے ریوالور نکل آئے اور ان سب کا نشانہ میں تھا لیکن ان کے ٹریگر دبنے سے پہلے ہی اے پی ایم سو کی جاں نثار اور نڈر کارکن طالبات نے مجھے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا اور ان کی کوشش ناکام بنا دی۔ ہمارے ایک ساتھی ابوذر نے مزاحمت کی تو اس پر نوکیلی زنجیروں اور چاقوؤں سے حملہ کر دیا لیکن اس سے قبل کہ ابوذر کی چیخ میں پیوست ہو جاتی' عظیم احمد طارق نے (جو اس وقت اے پی ایم سو کے سیکرٹری جنرل تھے) جست لگا کر اس وار کو اپنی کلائی پر روک لیا جس سے ان کی کلائی پر گہرے زخم آئے۔ اسی دوران ایمبولنس آ گئی اور میں اور میرے ساتھی اپنے زخمی کارکنوں کو لے کر عباسی شہید ہسپتال روانہ ہوئے۔

یونیورسٹی میں ایک بار اس سے قبل بھی مجھ پر مسلح حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی یہ غالباً ۱۹۷۹ء کی بات ہے ۱۱ جون ۷۸ء کو اے پی ایم سو کے قیام کے ایک سال بعد جب یونیورسٹی میں طلبہ یونین کے انتخابات منعقد ہوئے تو ہم نے بھی ان میں حصہ لیا اسی انتخابی مہم کے دوران میں اپنی ہنڈا ۵۰ موٹر سائیکل پر پمفلٹ لے کر جا رہا تھا کہ ایک مخالف طلبہ تنظیم کے مسلح کارکنوں نے مجھ پر حملہ کیا جس کی وجہ سے مجھے چوٹیں آئیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں خود کو ان کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔

انتخابات میں حصہ

اس بات کا امکان موجود ہے کہ آئندہ عام انتخابات جماعتی بنیاد پر ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ سیاسی جماعتوں کے رجسٹریشن کا قانون بھی موجود ہے اگر مرکزی کمیٹی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس مسئلہ پر بھی ساتھیوں کی جو رائے ہوگی اسی پر عمل کیا جائے گا۔

میری شادی کا مسئلہ

مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ میں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔ شادی نہ صرف سنت رسولؐ ہے بلکہ یہ اخلاقی' سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بھی ضروری ہے۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن میری زندگی مجاہدوں اور انقلابی لوگوں کی زندگی ہے جس میں مجھے بعض اوقات ۴۸' ۴۸ گھنٹے تک نہ سونے کا موقع ملتا ہے' نہ کھانے کا موقع ملتا ہے۔ ہنگامی حالات کی صورت میں بعض اوقات کسی ادارہ میں یا کسی شعبہ میں کچھ عرصہ کے لئے ایمرجنسی نافذ کر دی جاتی ہے لیکن میں مستقل طور پر ایمرجنسی کی حالت میں رہتا ہوں۔ مجھے یہ سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا کہ میری شادی نہیں ہوئی ہے یا مجھے شادی کرنی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنی تمام تر آرزوؤں' امنگوں' دلچسپیوں اور خواہشات کو اپنے مشن تک محدود اور وقف کر دیا ہے اور اب میرے لئے ان تمام باتوں کا محور صرف اور صرف ایم کیو ایم ہے۔ اگر میں شادی کر لوں تو اس سے یقیناً تحریک کو نقصان پہنچے گا کیونکہ میں جو وقت تحریک کو دے رہا ہوں اس میں سے بہرحال کچھ نہ کچھ وقت کم ہو جائے گا جو میں کسی قیمت پر بھی قبول نہیں کر سکتا۔ میں اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ مجھے دنیا بھر کی خوشیاں حاصل ہو گئیں۔ انسان کو عظیم تر مقاصد حاصل کرنے کے لئے تو بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ بعض اوقات تو اپنی اولاد اور اپنی تمام تر متاع پونجی کی قربانی دینا پڑتی ہے یہ تو صرف شادی کی بات ہے۔ شادی ایک ذاتی مسئلہ ہے اور میں اپنی ذات کو مکمل طور پر تنظیم کے حوالے کر چکا ہوں جہاں تک میرے کام کاج اور میری دیکھ بھال کا تعلق ہے تو اس کے لئے میں اپنے ساتھیوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ مجھے کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے میرے سارے بھائی بہن اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ اس گھر میں میں تنہا رہتا ہوں میرے ساتھی نہ صرف میری دیکھ بھال کرتے ہیں بلکہ میری ذات سے متعلق ہر چیز کا خیال رکھتے ہیں گھر کی دیکھ بھال کھانا کپڑے غرض ہر چیز کا انتظام اس خوش اسلوبی سے ہو رہا ہے کہ مجھے کسی بات کی فکر نہیں کرنا پڑتی۔

تحریک میں گھر والوں کا حصہ

آج ہماری تحریک جس مقام پر پہنچی ہے یقیناً اس میں میرے گھر والوں کا بھی رول رہا ہے۔ اس لئے کہ میری وجہ سے انہیں جن تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ان کے پیش نظر وہ مجھ سے کہہ

سکتے تھے کہ تمہاری وجہ سے ہم سب مصائب کا شکار ہو رہے ہیں اس لئے تم اس گھر سے چلے جاؤ لیکن ایسا کرنے کے بجائے انہوں نے ہمیشہ میرے ساتھ اپنا رویہ مثبت رکھا اور اسی مثبت رویہ نے مجھے حوصلہ دیا کہ میں اپنی تمام تر مشکلات کے باوجود اپنی تحریک کو جاری رکھوں۔

چنانچہ میں اپنے بھائی بہنوں بلکہ اپنے گھر کے تمام افراد کا شکر گزار ہوں اس سلسلے میں سب سے اہم کردار میری والدہ مرحومہ کا ہے۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے) میرے لئے بہت مشکل ہے کہ میں امی کے کردار اور رویہ کو الفاظ میں بیان کر سکوں۔ جب میں نے یونیورسٹی میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو اس وقت میں فارمیسی کا طالب علم تھا یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ سائنس کے طلبہ کو اپنی پڑھائی کے لئے زیادہ وقت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ تعلیم اور اس کے ساتھ ساتھ تحریک کی ذمہ داریوں کے باعث اپنے گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں۔ میں انہیں پورا نہیں کر پاتا تھا۔ میرے گھر کے افراد نے خصوصاً امی نے کبھی اس سلسلے میں کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اور ان کا رویہ ہمیشہ اچھا رہا۔

یونیورسٹی کے بعد تحریک کے کاموں کو چلانے اور اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے میں اور میرے ساتھی ٹیوشن پڑھاتے تھے اس کے بعد رات گئے تک اے۔ پی۔ ایم۔ ایس۔ او کے کام ہوتے تھے اس لئے میں اکثر رات کے بلکہ صبح کے تین چار بجے گھر پہنچتا تھا۔ یہ میرا روز کا معمول تھا۔ حالانکہ والدہ مرحومہ بیمار رہتی تھیں لیکن ان کا بھی یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ میرے آنے پر اٹھ کر گھر کا دروازہ کھولتی تھیں اور مجھ سے کھانے کے لئے پوچھتی تھیں۔ میں نے کبھی ان کے ماتھے پر شکن نہیں دیکھی حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ میری طرف سے کس قدر فکر مند رہتی تھیں۔ خواہ کتنی بھی دیر سے گھر جاؤں وہ اس وقت تک میرے انتظار میں جاگتی رہتی تھیں۔ اصولی طور پر ماں یہ چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا کسی بھی ایسے کام میں شریک نہ ہو جس سے اسے کسی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہو لیکن میری والدہ نے کبھی میری ہمت شکنی کرنے کی یا مجھے اس تحریک کو چلانے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ مجھے نہایت مثبت انداز میں یہ سمجھاتی تھیں کہ میں بہت ہوشیاری کے ساتھ اور سوچ سمجھ کر اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کروں۔ میں بھی اپنی والدہ کو ہمیشہ یہ سمجھانے کی کوشش کرتا تھا کہ میں جو کام کر رہا ہوں وہ کسی نہ کسی کو تو کرنا ہی تھا اور وہ بھی کسی نہ کسی ماں کا بیٹا ہوتا اور پھر میں جو کام کر رہا ہوں وہ اپنی ذات کے لئے اپنے گھر کے لئے نہیں کر رہا بلکہ اپنی پوری قوم کے لئے کر رہا ہوں لہٰذا آپ مجھے دعائیں دیں۔ وہ انتہائی شفقت اور محبت کے ساتھ مجھے دعائیں دیتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

میری والدہ قدم قدم پر میرے عزم کو پختہ کرنے اور میرے حوصلہ کو بلند کرنے کا سبب بنتی رہیں۔ ۱۴ر اگست ۱۹۷۹ء کو جب مجھے قائداعظمؒ کے مزار پر بنگلہ دیش سے محبت وطن پاکستانیوں کی

واپسی کے لئے مظاہرہ کرنے پر گرفتار کیا گیا اور پھر فوجی عدالت سے ۹ ماہ قید بامشقت اور ۵ کوڑوں کی سزا سنائی گئی تو اس کے بعد مجھے رہائی کے لئے جیل میں حکومت نے مختلف ذرائع سے طرح طرح کی پیشکشیں کیں۔ جنھیں میں نے ٹھکرا دیا۔ عید آنے والی تھی ان لوگوں نے یہ سوچا کہ مائیں بیٹوں کے سلسلے میں بہت جذباتی ہوتی ہیں اس لئے الطاف حسین کی والدہ سے رابطہ قائم کیا جائے تاکہ وہی کوئی معافی نامہ لکھ کر دے دیں۔ اس کام کے لئے حکومت کے کارندوں نے کراچی کے کچھ اساتذہ کو اسٹوڈنٹس ایڈوائزر سمیت میرے گھر بھیجا۔ ان لوگوں نے امی سے کہا کہ آپ معافی نامہ لکھ دیں تو آپ کے بیٹے کو فوری طور پر عید سے پہلے رہا کر دیا جائے گا۔ امی نے کسی قسم کا معافی نامہ لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔

انہوں نے کہا کہ میرا بیٹا حق بات کہہ رہا ہے' آپ کی مرضی ہے تو آپ اسے چھوڑ دیں لیکن میں اس کی صفائی میں ایک لفظ بھی لکھ کر نہیں دوں گی۔ امی کے بعد میرے بھائیوں سے رابطہ قائم کیا گیا لیکن انہوں نے بھی دوٹوک الفاظ میں وہی بات کہہ دی جو امی نے کہی تھی۔ کون ماں نہیں چاہتی کہ اس کا بیٹا گھر جیل میں ہے تو رہا ہو جائے خاص طور پر جب عید آ رہی ہو لیکن میں اپنی والدہ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر جس بہادری اور بلند حوصلہ کا مظاہرہ کیا اس نے ان کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔ میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام ساتھیوں اور کارکنوں کی ماؤں کو وہی حوصلہ عطا فرمائے جو اس نے میری ماں کو عطا کیا تھا۔

میرے ساتھیوں سے وہ بہت محبت اور شفقت سے پیش آتی تھیں اور میرے لئے جو پیغام دیتے تھے وہ مجھے پہنچاتی تھیں۔ انہوں نے کبھی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا اور نہ کبھی مجھ سے شکوہ کیا۔ انہوں نے تمام مشکلات کو انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور کبھی ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے میں مایوس ہو جاؤں' نہ کبھی کوئی ایسا شکوہ کیا جو میرے لئے تکلیف کا باعث بنے۔ والدہ کے ساتھ ساتھ میرے بھائیوں اور دوسرے اہل خانہ نے بھی میری وجہ سے پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے میری حوصلہ شکنی ہو۔

میرے بھائیوں اور بہنوں نے صرف اس بنا پر تحریک کی حمایت نہیں کی کہ میں ان کا بھائی تھا بلکہ شروع میں وہ بھی مجھ سے اسی طرح بحث مباحثہ کرتے تھے جس طرح کوئی بھی شخص تنظیم میں شامل ہونے سے قبل کیا کرتا تھا۔

میری والدہ کی ہمیشہ مجھے یہ نصیحت ہوتی تھی کہ تم جس مقصد کے لئے کام کر رہے ہو اس میں ہمیشہ پر خلوص رہنا اور کبھی اپنے ذاتی مفاد کو درمیان میں نہ لانا اور قوم کے اجتماعی فائدہ کے لئے جدوجہد کرنا۔ وہ ہمیشہ یہ دعا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی جدوجہد میں ثابت قدم رکھے اور مجھ پر اپنے فضل و کرم کا سایہ رکھے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں آج تک اپنی والدہ کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں' ان کی دعاؤں کے طفیل

بڑی سے بڑی مشکل آج تک میرے قدم نہیں اکھاڑ سکی ہے اور میں نے آج تک اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا ہے۔ جب ۵ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو میری والدہ کا انتقال ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سب کچھ چھین لیا گیا ہو۔ بہت عرصہ تک میں امی کی جدائی کے غم کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بھلا سکا لیکن آج میں اپنی ماں کے بچھڑنے کے دکھ کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا ہوں اس لئے کہ سینکڑوں' ہزاروں بلکہ لاکھوں ماؤں نے مجھے جو محبت اور شفقت دی ہے وہ میرے لئے بہت بڑا سہارا ہے۔ جب وہ مجھ سے ملنے آتی ہیں اور جس طرح میرے سر پر دست شفقت رکھتی ہیں تو مجھے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری سگی ماں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری ایک ماں لے کر مجھے لاکھوں مائیں دے دی ہیں جن کی دعائیں مجھے حاصل ہیں اللہ تعالیٰ سے میری التجا ہے کہ مجھ پر ان لاکھوں ماؤں کی دعاؤں کا سایہ برقرار رہے اور ان کی نیک تمنائیں میری تحریک کے شامل حال رہیں۔

کالا باغ ڈیم

کسی بھی فیڈریشن یعنی وفاق کے انتظام کو چلانے کے لئے یہ شرط لازمی ہے کہ اس میں شامل تمام یونٹوں کو قومی سطح کے مسائل اور معاملات میں یکساں اہمیت دی جانی چاہئے اور ان سب کو اعتماد میں لئے بغیر قومی سطح کا کوئی بھی فیصلہ نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کتنا ہی اہم یا مفید کیوں نہ ہو اس لئے کہ وفاق کیلئے یکجہتی اور سالمیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ کالا باغ ڈیم کی سو فیصد تکنیکی تفصیلات اور اعداد و شمار تو میرے سامنے نہیں ہیں لیکن مختلف سیاسی اور عوامی رہنماؤں کے بیانات اور عوامی سطح پر ہونے والے اجتماعات سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر سے فائدے جو کچھ بھی ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد اور خاص طور پر صوبہ سندھ کو شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ یہ صورت حال سندھ کے لوگوں کو مزید تکلیف پہنچانے اور ان کے احساس محرومی میں مزید اضافہ کا سبب بن رہی ہے جب کہ وہ اور دوسرے چھوٹے صوبے پہلے اس بات کے شاکی ہیں کہ صوبوں کے درمیان پانی کی تقسیم کے معاہدے پر اب تک عمل درآمد کیوں نہیں کیا گیا ہے۔ کالا باغ کے منصوبہ سے جو شکایات سندھ اور سرحد کے لوگوں کو ہیں سرکاری سطح پر ان کے بارے میں کسی قسم کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ان شکایات کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور یقین ہونے لگتا ہے کہ اس منصوبہ سے واقعی سرحد اور سندھ کو نقصان پہنچے گا اس لئے اس سلسلے میں ہمارا واضح موقف یہ ہے کہ اس فنی اور تکنیکی مسئلہ کے بارے میں چاروں صوبوں کے نہ صرف ماہرین اور رائے عامہ کے نمائندوں بلکہ عوام کو اعتماد میں لیا جائے

اور ملک میں صرف ایسے منصوبوں پر عمل در آمد کیا جائے جن کے نتیجے میں کسی بھی صوبہ کو نقصان نہ پہنچے اس لئے کہ پاکستان کے لئے یکجہتی اور سالمیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

لفظ "مہاجر" پر سارا زور کیوں؟

لفظ "مہاجر" ادا کرنے سے پہلا تصور جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ تحریک پاکستان ہے۔ چونکہ یہ بات اب ثابت ہو چکی ہے کہ پاکستان کی تحریک میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرنے والے افراد اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہی تھے اور وہی ہجرت کے عمل سے گزرے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ لفظ "مہاجر" اپنے ساتھ پوری تاریخ اور ایک سیاسی فکر و عمل کی نشان دہی کر رہا ہے اور پھر مہاجر ایک بھرپور تہذیب اور ثقافت کے حامل ہیں اس لئے لفظ "مہاجر" سے بہتر کوئی اور لفظ مہاجر قومیت کی نمائندگی کرنے سے قاصر ہے۔

مہاجر قومی موومنٹ کی نظر میں مقامی افراد وہ لوگ ہیں جو خواہ اردو بولتے ہوں یا سندھی یا بلوچی یا کوئی اور زبان۔ مگر سندھ میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ مستقل رہائش پذیر ہوں' جو کماتے ہوں یہیں خرچ کرتے ہوں' جب مرتے ہوں تو یہیں دفن ہوتے ہوں اور جنھوں نے اپنے مفادات کو سندھ کے مفادات سے وابستہ کر دیا ہو۔

مہاجر قومی موومنٹ کے قیام سے قبل بھی صوبہ سندھ میں "مہاجر" کے نام پر کئی تنظیمیں قائم ہوئی تھیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ "مہاجر" پہلے بھی شناخت کے طور پر استعمال ہوتا تھا مگر مہاجروں کی اکثریت اپنی شناخت کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتی تھی۔ ایم کیو۔ ایم سے پیشتر مہاجر نام سے بننے والی تنظیمیں اس لئے کامیابی حاصل نہ کر سکیں کہ ان تنظیموں کو نہ تو مؤثر عوامی تائید حاصل ہو سکی اور نہ ہی انہوں نے مہاجروں کے حقوق کے حصول کا کوئی واضح منصوبہ پیش کیا۔ اس کے برعکس مہاجر قومی موومنٹ اپنے دس سال کے مسلسل تنظیمی کام' جدوجہد' واضح نظریات اور مثبت حکمت عملی کے باعث آج ایک مؤثر عوامی قوت اور مہاجروں کی واحد نمائندہ آواز بن چکی ہے اسی لئے آج اس کی مخالفت بھی اتنی ہی شدید ہے اور اس مخالفت میں لفظ "مہاجر" کے استعمال پر بہت زیادہ دانش ورانہ غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔

مہاجر کون

مہاجر قومی موومنٹ لفظ "مہاجر" کو کن لوگوں کے لئے استعمال کرتی ہے اس کی وضاحت میں

کر دیتا ہوں تاکہ لوگوں کے ذہن سے الجھنیں اور غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔ مہاجر قومی موومنٹ کے نزدیک وہ تمام لوگ مہاجر ہیں

- ○ ..... جنھوں نے قیام پاکستان کے نتیجے میں برصغیر کے مسلم اقلیتی صوبوں سے پاکستان ہجرت کی۔
- ○ ..... جن کا شمار پاکستان کی کسی قومیت میں نہیں کیا جاتا یعنی جو نہ پنجابی ہیں' نہ سندھی' نہ بلوچی اور نہ پختون
- ○ ..... جنھوں نے مشرقی پنجاب کے ان علاقوں سے ہجرت کی جن کی زبان و ثقافت پنجاب کی زبان و ثقافت سے مختلف تھی۔ مثلاً سندھ میں مشرقی پنجاب سے آنے والے پنجابیوں نے اپنے آپ کو پنجابی کی حیثیت سے شناخت کرایا جب کہ مشرقی پنجاب سے آنے والے دیگر افراد جن کی زبان اردو یا پنجابی کے علاوہ کچھ اور تھی انہیں مہاجر کہا گیا۔

اگرچہ مہاجر سرزمین سندھ پر نووارد ہیں لیکن انھوں نے اپنی تمام وابستگیاں سندھ سے جوڑ لی ہیں اس لئے اب وہ سندھ کا حصہ بن چکے ہیں۔ مزید یہ کہ مہاجروں نے ابتدائی دنوں میں پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ سنبھالنے' کاروبار حکومت چلانے اور صنعتیں وغیرہ قائم کرنے میں گراں قدر قربانیاں دیں اور جدوجہد کی۔ اس کے علاوہ حکومت پاکستان اور مسلم لیگ کی ہائی کمان نے مہاجروں کو پاکستان آنے کی دعوت بھی دی تھی۔

مہاجروں' سندھیوں اور سندھ کے قدیم بلوچوں نے جب یہ محسوس کیا کہ نوکر شاہی اور استحصالی قوتوں نے ان کے جائز حقوق غصب کر لئے ہیں تو ان میں محرومی کا مشترکہ احساس پیدا ہوا' ماضی کی دوریاں اور غلط فہمیاں ختم کرنے کی ضرورت کا احساس بیدار ہوا کیوں کہ ماضی کی ان غلطیوں اور دوریوں ہی نے استحصالی عناصر کو یہ موقع فراہم کیا تھا کہ وہ سندھ کی زمینوں' صنعتوں اور وسائل پر قبضہ جماتے رہیں۔

مہاجروں میں استحصالی عناصر کی اس لوٹ کھسوٹ کا احساس سندھیوں کے مقابلے میں ذرا دیر سے پیدا ہوا اور جب یہ احساس پیدا ہوا تو مہاجر قومی موومنٹ وجود میں آئی جس کا مقصد مہاجروں کے جائز حقوق کا حصول ہے لیکن چونکہ مہاجروں اور سندھیوں کے دکھ اور مصائب ایک جیسے ہیں اس لئے ایم۔ کیو۔ ایم کی جدوجہد سندھ کے حقوق کی جدوجہد بھی ہے اور اسی لئے ایم۔ کیو۔ ایم کا پیغام مہاجروں کے ساتھ ساتھ سندھیوں کے لئے کشش رکھتا ہے۔ چنانچہ جب مہاجر قومی موومنٹ نے کراچی' حیدر آباد' سکھر اور سندھ کے دیگر شہروں میں بڑے بڑے جلسے کئے تو ان میں مہاجروں کے ساتھ ساتھ سندھیوں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

ایم۔ کیو۔ ایم کے جلسوں اور دیگر مواقع پر عوام کی جانب سے ایم۔ کیو۔ ایم کے لئے بھرپور تائید سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ سندھ کے عوام نے ایم۔ کیو۔ ایم پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اب سندھ کے عوام خصوصاً مہاجر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مسائل کے حل کو قرار داد مقاصد یعنی Charter of Resolutions کی صورت میں مہاجر قومی موومنٹ کے پلیٹ فارم سے پیش کیا جانا چاہئے۔

حرف آخر

اسی حوالے سے میں پنجاب کے 'سرحد کے' سندھ اور بلوچستان کے غریبوں سے اور مظلوموں سے کہتا ہوں کہ آپ ایم کیو ایم کی طرز پر تنظیمیں قائم کریں لیکن ان تنظیموں کی پوری قیادت بھی آپ ہی کے طبقہ میں سے ہونی چاہئے اگر ملک کے مختلف صوبوں کے غریب اور مظلوم ایسی تنظیمیں بناتے ہیں یا بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو میں انہیں ایم کیو ایم کی طرف سے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کراتا ہوں اور پیشکش کرتا ہوں کہ وہ ایسی تنظیمیں بنائیں ہم ان کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کو تیار ہیں۔ اس طرح ملک بھر کے غریب مل کر مشترکہ طور پر ملک کی ظالم استحصالی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں اور کامیاب بھی ہو سکتے ہیں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ پنجاب کا غریب اور محنت کش 'سرحد کا غریب اور محنت کش' بلوچستان کا غریب اور محنت کش اور سندھ کا غریب اور محنت کش باہر نکلے اور اس کی قیادت بھی خود ان ہی کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ تب ہی کامیابی ہو سکتی ہے میں خاص طور پر پنجاب کے لوگوں کو پیغام دینا چاہتا ہوں کہ اے پنجاب کے غریب اور مظلوم بھائیو' میدان میں آؤ کیوں کہ اس ملک کی بقاء اور سلامتی کی سب سے زیادہ ذمہ داری اب پنجاب کے کاندھوں پر ہے اقتدار پر متمکن افراد اور بیوروکریسی میں شامل لوگوں میں سے اکثریت کا تعلق پنجاب سے ہے ظلم وہ کرتے ہیں لیکن پورا پنجاب بدنام ہوتا ہے جہاں خود بڑا طبقہ مظلوم اور غریب ہے اور استحصال کی چکی میں پس رہا ہے جو نے صوبے اس لئے پورے پنجاب کو مخاطب کرتے ہیں کہ پنجاب کے غریب 'مظلوم' محنت کش اور مسائل میں جکڑا لوگ ان عناصر کے خلاف میدان میں کیوں نہیں آتے اور ایک بھرپور جدوجہد کیوں نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر پنجاب کے مظلوم اور غریب اپنی قیادت اپنے ہی طبقہ میں سے پیدا کر کے میدان عمل میں آئیں گے تو پورے پاکستان کے عوام ان کے ساتھ ہوں گے غریب اور مظلوم طبقہ کے لوگ اگر اوپر آئیں گے تو غریبوں کے مسائل حل کرنے میں اس لئے پر خلوص اور نیک نیت ہوں گے کہ وہ خود ان مسائل سے دوچار ہوتے رہے ہوں گے۔

میں خاص طور پر نوجوانوں سے اپیل کروں گا کہ ہم بزرگوں کا احترام کرتے تھے' کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر اب یہ دیکھو کہ ہمیں ان بزرگوں نے ۶۰ سال میں کس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ آج

ایم کیو ایم کی مخالفت صرف اس لئے نہیں ہو رہی ہے کہ اس نے مہاجر قومیت کا نعرہ لگایا ہے بلکہ اس کی مخالفت اس لئے ہو رہی ہے کہ اس نے پاکستان بھر کے مظلوموں اور غریبوں کو ایک نئی راہ دکھائی ہے کہ اگر تم چاہو تو تم بھی اپنی آواز بلند کر سکتے ہو پاکستان کا کوئی سیاسی رہنما الطاف حسین کے گھر جیسے چھوٹے سے گھر میں نہیں رہتا۔ ایم کیو ایم کا چیئرمین ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتا ہے۔ ایم کیو ایم کی پوری مرکزی کابینہ تمام زونل انچارج تمام یونٹ آرگنائزر تمام سیکٹر انچارج سرکل انچارج سب کے سب چھوٹے چھوٹے گھروں یا فلیٹوں میں رہتے ہیں۔ ہماری مخالفت اسی لئے زیادہ ہو رہی ہے کہ کہیں پاکستان بھر کے غریب ہماری راہ کو نہ اپنا لیں۔

میں پاکستان کے چاروں صوبوں کے غریبوں' مظلوموں' مزدوروں کسانوں' ہاریوں اور چھوٹے ملازموں سے ایک سوال کرنا چاہوں گا کہ اے میرے بھائیو! یہ بتاؤ کہ تمہارے علاقے میں استحصال کرنے والے کون لوگ ہیں؟ جاگیردار' وڈیرے' سرمایہ دار' سردار' چودھری۔ حالانکہ یہ لوگ تمہاری قوم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ذرا یہ دیکھو کہ یہ تم سے کتنی محبت رکھتے ہیں۔ تمہارے مسائل کس طرح حل کرتے ہیں تمہیں تمہاری محنت کا کتنا حق دیتے ہیں اس پر غور کرو کہ تمہارا استحصال کون کرتا ہے اور کس طرح کرتا ہے۔ اگر تم خود میدان میں نہیں آؤ گے تو پھر یہ اُمید مت رکھو کہ کوئی اور تمہاری مدد کرے گا خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ لا یغیر بقوم حتی یغیر ما بانفسھم (خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو اپنی حالت خود نہ بدلے)

اس لئے میں پھر کہتا ہوں کہ میرے غریب اور مظلوم بھائیو اپنے حقوق کے لئے خود جدوجہد کرو۔ الطاف حسین کو یا ایم کیو ایم کو اپنا دشمن مت سمجھو۔ ایم کیو ایم غریب کی' مظلوم کی دوست ہے خواہ وہ سندھ کا ہو سرحد کا ہو بلوچستان کا ہو یا پنجاب کا ہو۔ میرے بھائی اس پروپیگنڈہ پر نہ جائیں کہ الطاف حسین پنجابیوں کے پٹھانوں کے یا کسی کے بھی خلاف ہے ہم صرف استحصالی طبقہ کے خلاف ہیں اور اس استحصالی طبقہ میں خواہ مہاجر شامل ہوں پنجابی شامل ہوں پٹھان بلوچ یا سندھی شامل ہوں۔



چارٹر آف ریزولیوشن میں شامل نکات کی تفصیلات

ڈومیسائل سرٹیفکیٹ اور شناختی کارڈ

یہ ایک واضح اور کھلی حقیقت ہے کہ سندھ کے سرکاری اور نیم سرکاری اداروں و کارپوریشنوں حتیٰ کہ مقامی شہری اداروں میں بھی نچلی سطح سے اعلیٰ سطح تک غیر مقامی ملازمین وافسران بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان میں سے بہت بڑی تعداد نے مختلف ناجائز ذرائع سے سندھ کا ڈومیسائل حاصل کیا ہے اور محض سندھ کا ڈومیسائل حاصل کر کے وہ لوگ خود کو سندھ کے وسائل کا حق دار سمجھتے ہیں۔ مہاجر قومی موومنٹ ایسے لوگوں کو "مقامی ڈومیسائل یافتہ غیر مقامی افراد" سمجھتی ہے۔ اسی طرح بے شمار افراد نے مختلف جائز و ناجائز ذرائع سے سندھ کا شناختی کارڈ بھی حاصل کر لیا ہے۔ ان میں غیر مقامی افراد کے ساتھ ساتھ افغانی اور دیگر غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ ان غیر مقامی افراد کے اس عمل سے سندھ کے مقامی لوگوں کا حق مارا جا رہا ہے اور ان پر ملازمتوں کے دروازے بند ہوتے چلے جا رہے ہیں چنانچہ:

○ .....سندھ کا ڈومیسائل صرف اور صرف ایسے مقامی افراد کو دیا جائے جو کم سے کم بیس سال سے اپنے پورے خاندان سمیت سندھ میں مقیم ہوں۔

○ .....ڈومیسائل سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے لئے سندھ میں مستقل سکونت کا سرٹیفکیٹ (پی۔ آر۔ سی) پیدائش سرٹیفکیٹ، میٹرک سرٹیفکیٹ اور علاقے کے منتخب کونسلر کا تصدیق نامہ لازمی قرار دیا جائے۔ تاہم وہ افراد ان پابندیوں سے مستثنیٰ ہوں گے جنھیں سقوط مشرقی پاکستان کے بعد بنگلہ دیش سے لا کر سندھ میں آباد کیا گیا ہے۔

○ .....ان تمام افراد کے مقامی ڈومیسائل سرٹیفکیٹ منسوخ کئے جائیں جو "مقامی" کی تعریف میں نہیں آتے۔ جعلی ڈومیسائل حاصل کرنے والوں اور جاری کرنے والوں کے لئے سزا کا وہی قانون نافذ کیا جائے جو جعلی پاسپورٹ کے لئے ہوتا ہے۔

○ ..... صوبائی اسمبلی کے منتخب سندھی اور مہاجر نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو ہر سال جاری کئے جانے والے ڈومیسائل سرٹیفکیٹس کی چھان بین کر کے اس بات کا فیصلہ کرے کہ کتنے صحیح اور کتنے غلط ڈومیسائل سرٹیفکیٹ جاری کئے گئے ہیں۔

○ ..... سندھ میں شناختی کارڈ کے حصول کے لئے سندھ کا ڈومیسائل لازمی قرار دیا جائے۔

پولیس

مقامی پولیس ان سرکاری اداروں میں سے ایک ادارہ ہوتا ہے' جن کے ذریعہ لوگ خود کو مقامی انتظامی معاملات میں شریک و شامل سمجھتے ہیں لیکن سندھ کی پولیس خصوصاً سندھ کے شہروں کی پولیس ان افراد پر مشتمل ہے جن کا تعلق سندھ سے نہیں ہے۔ سندھ پولیس کی یہ غیر مقامی ہیئت اس وقت عمل میں آئی جب سندھ "ون یونٹ" کا حصہ تھا اور کراچی ملک کا دارالحکومت ۔ سندھ پولیس کی غیر مقامی ہیئت کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ مقامی لوگ پولیس میں ہونے سے دلچسپی نہیں رکھتے جب کہ دوسری طرف مقامی آبادی کی شکایت یہ ہے کہ پولیس کے محکمے میں مقامی افراد کو بھرتی کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سندھ کی پولیس میں وہی غیر مقامی افراد شامل ہیں جنھیں ون یونٹ کے دور میں بھرتی کیا گیا تھا اور بقیہ لوگ مقامی ڈومیسائل یافتہ ہیں جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ جو لوگ ون یونٹ کے دور میں بھرتی کئے گئے تھے۔ انھیں اصولی طور پر اب تک ریٹائرڈ ہو جانا چاہئے تھا۔ اس کے علاوہ پولیس کے جن کو مقامی ڈومیسائل یافتہ کہا جارہا ہے وہ دراصل "مقامی ڈومیسائل یافتہ غیر مقامی افراد" ہیں۔

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ سندھ کی پولیس آج بھی نہ صرف غیر مقامی افراد پر مشتمل ہے بلکہ پولیس میں غیر مقامی افراد آج بھی بھرتی کئے جارہے ہیں اور اس کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مقامی افراد پولیس میں شامل ہونے سے دلچسپی نہیں رکھتے۔

ایک طرف تو غیر مقامی پولیس کی وجہ سے مقامی افراد کی بے روزگاری میں اضافہ ہوا دوسری طرف پولیس کے غیر مقامی اہلکار مقامی افراد کے طرز فکر' سوچ اور مزاج کو سمجھنے سے قاصر ہیں جس کی وجہ سے یہاں پر سیاسی' سماجی و معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں۔ مزید یہ کہ پولیس کے غیر مقامی اہلکاروں کو یہاں کے شہری' سماجی و معاشرتی مسائل' فلاح و بہبود اور امن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

غیر مقامی پولیس کا اصل کردار اور مقامی افراد کے ساتھ ان کا غیر ہمدردانہ رویہ اس وقت کھل کر سامنے آیا۔ جب ۱۹۸۵ء میں ایک سازش کے تحت کراچی میں کرائے گئے فسادات کے دوران پولیس نے باقاعدہ ایک فریق کی حیثیت سے مقامی آبادی کے خلاف کارروائی کی اور اس کے بعد سے آج تک کرائے جانے والے تمام فسادات میں غیر مقامی پولیس نے مقامی آبادی کے خلاف کارروائیاں کیں بلکہ مقامی آبادیوں میں گھس کر بے گناہوں کا قتل عام کیا اور معصوم بچوں' بزرگوں و نوجوانوں کو گرفتار کیا حتیٰ کہ اس غیر مقامی پولیس کی موجودگی میں ۱۴ اور ۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو کراچی کی قصبہ کالونی' علی گڑھ کالونی اور اورنگی ٹاؤن کی دیگر بستیوں میں چھ گھنٹے تک

مہاجروں کا قتل عام ہوتا رہا اور اس نے کسی کارروائی سے اجتناب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جلیانوالہ باغ کی تاریخ دہرائی جارہی ہے اور اس قتل عام کا جنرل ڈائر انتظامیہ یا پولیس کے محکمہ میں کسی جگہ بیٹھا ہے۔ سندھ کے شہروں میں غیر مقامی پولیس کے محکمہ میں تعصب اور مقامی آبادی سے نفرت میں اس حد تک اضافہ ہوچکا ہے کہ پولیس مقامی افراد کے گھروں اور دکانوں کو لوٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی' خصوصاً کراچی پولیس خود بھی ڈاکوں اور چوریوں میں ملوث رہی ہے۔

تقریباً یہی صورت حال سندھ کے دیہی علاقوں میں بھی ہے جہاں غیر مقامی پولیس کا رویہ مقامی آبادی کے ساتھ انتہائی ظالمانہ ہے۔

ڈرگ مافیا' ناجائز اسلحہ کی تجارت اور سنگین جرائم کے فروغ کی ذمہ دار بھی' غیر مقامی پولیس ہی ہے اور سندھ میں زمینوں پر ناجائز قبضہ کے کاروبار کے پھیلاؤ میں بھی غیر مقامی پولیس نے اپنا کردار ادا کیا ہے کیونکہ پولیس کے ملوث ہوئے بغیر اتنی بڑی تعداد میں بکی آبادیوں کا قیام ممکن نہیں تھا۔ اس تمام صورت حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سندھ کی پولیس میں ایسے غیر مقامی افراد شامل ہیں جنہیں اس صوبہ کے امن و امان' فلاح و بہبود اور خوش حالی سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ وہ یہاں مستقل طور پر رہنے کے لئے نہیں بلکہ کچھ عرصہ یہاں کمانے کے لئے آئے ہیں اس لئے:

○ ..... کراچی سمیت سندھ کے تمام علاقوں میں پولیس و دیگر متعلقہ تحقیقاتی اداروں و ایجنسیوں' میں نچلی سطح سے اعلیٰ ترین سطح تک صرف اور صرف مقامی افراد کو بھرتی کیا جائے۔

○ ..... سندھ پولیس کے اعلیٰ ترین عہدوں سے لے کر نچلی سطح تک غیر مقامی افراد کی جگہ مقامی افراد کو تعینات کیا جائے اور موجودہ غیر مقامی پولیس افسران و اہل کاروں کو ان کے اپنے صوبہ میں تعینات کیا جائے۔

○ ..... مقامی بلدیاتی اداروں کے لئے مقامی افراد پر مشتمل علیحدہ پولیس فورس تشکیل دی جائے جس کا بنیادی کام غیر قانونی تجاوزات کی روک تھام' ناجائز قابضین سے زمین وغیرہ خالی کرانا اور بلدیاتی قوانین پر عمل درآمد کرانا ہو۔

اسلحہ لائسنس کا اجراء

گزشتہ چند برسوں کے دوران سندھ کے شہروں میں منشیات وغیرہ کاروبار اسلحہ کے بیوپاریوں اور مہاجر دشمن عناصر نے مہاجر بستیوں پر بیشمار چھوٹے بڑے حملے کر کے سینکڑوں مہاجروں کو شہید اور ہزاروں کو مقہور کیا ہے۔ ان حملوں کے دوران پولیس نے نہ صرف یہ کہ مہاجر آبادیوں کے معصوم اور قتل و غارت گری کا شکار ہونے والے مہاجروں کو تحفظ فراہم نہیں کیا بلکہ مختلف مواقع پر حملہ آوروں اور قاتلوں کی مدد کی ہے۔ مہاجر بستیوں پر حملہ کرنے والوں کو نہ تو آج تک گرفتار کیا گیا نہ ہی ان میں سے کسی کے پاس سے اس کا غیر قانونی جدید خود کار اسلحہ برآمد کیا گیا۔ مہاجر بستیوں پر مسلح حملے آئے دن کا معمول بن گئے ہیں۔ اس صورت حال سے

مہاجروں میں عدم تحفظ کا شدید احساس پیدا ہوا ہے اور وہ اپنے جان و مال کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ عدم تحفظ کی تقریباً یہی صورت حال سندھ کے دیہات اور سندھ میں آباد قدیم بلوچوں کی بستیوں میں بھی ہے۔ اس لئے:

○ ..... مہاجروں اور سندھیوں کو اسلحہ کے لائسنس جاری کئے جائیں۔

○ ..... اسلحہ لائسنس کے اجراء کے لئے وہی سادہ اور آسان طریقہ کار اختیار کیا جائے جو ریڈیو اور ٹی وی لائسنس کے اجراء کے لئے موجود ہے۔

افغان پناہ گزینوں کی منتقلی

افغان پناہ گزینوں کی بڑی تعداد میں سندھ آمد کے بعد ہیروئن' کلاشن کوف اور دیگر غیر قانونی جدید خود کار اسلحہ عام ہو گیا ہے۔ سندھ کے شہروں خصوصاً کراچی میں بڑی تعداد میں ان کی موجودگی اور شہری و کاروباری زندگی میں عمل دخل اس پالیسی سے انحراف ہے جس کے تحت پناہ گزینوں کو کیمپوں تک محدود کیا جانا چاہئے تھا اس کی وجہ سے سندھ کے شہروں میں سنگین مسائل جنم لے رہے ہیں۔ اس لئے:

○ ..... افغان پناہ گزینوں کو پاک افغان سرحد کے قریب کیمپوں میں محدود کیا جائے۔

○ ..... انہیں شہری زندگی میں دخل دینے اور کسی قسم کی جائیداد خریدنے اور تجارت یا کاروبار کرنے کی قطعی اجازت نہ دی جائے۔

آبادی میں غیر فطری اضافہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سندھ کے شہری علاقوں خصوصاً کراچی کی آبادی میں انتہائی تیز رفتاری سے مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی میں یہ تیز رفتار اضافہ غیر قانونی اور غیر فطری ہے کیوں کہ کراچی میں آبادی میں اضافہ کی شرح قریباً چھ فی صد سالانہ ہے۔ جب کہ ملک کے دیگر حصوں میں آبادی میں اضافہ کی شرح تین فی صد سالانہ ہے۔ آبادی میں اضافہ کی یہ غیر فطری شرح سندھ میں دیگر صوبوں کے افراد کی بلا روک ٹوک آمد کی وجہ سے ہے۔ آبادی میں اس غیر فطری اضافہ کی وجہ سے نہ صرف سندھ کے وسائل پر غیر معمولی بوجھ پڑ رہا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ سے سندھ میں نسلی و سماجی کشیدگیاں اور امتیازات جنم لے رہے ہیں۔

دیگر صوبوں سے آنے والے غیر قانونی افراد ایک جانب تو سندھ کے وسائل پر بوجھ کا سبب بنتے ہیں دوسری طرف سندھ کے ٹیکسوں (محاصل) میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ کراچی کے خصوصی ترقیاتی پروگرام کی صورت میں صرف کراچی پر ۲ ارب ۴۰ کروڑ روپے کا اضافی بوجھ پڑے گا۔ یہ خصوصی ترقیاتی پروگرام بلوچستان' قبائلی علاقوں اور پنجاب کے بارانی علاقوں میں بھی شروع کئے گئے ہیں لیکن وہاں ان پروگراموں سے مقامی آبادی ہی فائدہ حاصل کر رہی ہے اور مقامی آبادی ہی اس پروگرام کی مد میں ٹیکس

(محصولات) کی ادائیگی کی پابند ہے جب کہ سندھ میں اس پروگرام کے بیشتر فائدے تو غیر مقامی حاصل کر رہے ہیں کیوں کہ ترقیاتی کام مثلاً سڑکوں کی تعمیر وغیرہ پکی آبادیوں میں ہی زیادہ کئے جائیں گے اور اس ترقیاتی پروگرام کی کل رقم کا ایک چوتھائی حصہ پکی آبادیوں کو ترقی دینے پر خرچ ہو گا جہاں کی بیشتر آبادی نہ صرف غیر قانونی افراد پر مشتمل ہے بلکہ یہ آبادیاں غیر قانونی طور پر قائم کی گئی ہیں لیکن اس پروگرام کی مد میں ٹیکس (محصولات) ادا کرنے کی پابند سندھ کی مستقل مقامی آبادی ہے۔ آبادی میں بے تحاشا اضافہ کی خرابیوں سے ہر ایک واقف ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سندھ کے وسائل اب آبادی کے غیر فطری اضافہ کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت کا اعتراف نہ صرف سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ' سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور صدر جنرل محمد ضیاء الحق کر چکے ہیں بلکہ بیشتر قومی سیاسی رہنما بھی اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں۔ اس لئے:

○ ..... سندھ میں آبادی کے غیر فطری اضافہ کو روکنے کے لئے سندھ میں آنے والے دیگر صوبوں کے افراد کو ان کے اپنے صوبوں میں روزگار' ملازمت اور کاروبار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

○ ..... حکومت سندھ مختلف ذرائع ابلاغ کی مدد سے ایک باقاعدہ مہم کے ذریعہ دوسرے صوبوں میں لوگوں کو یہ باور کرائے کہ اب سندھ میں ذرائع آمدنی محدود ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ نجی شعبے میں بھی مزید کھپت کی گنجائش ختم ہوتی جا رہی ہے اور سندھ اب آباد کاری میں مزید اضافہ کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔

○ ..... دیگر صوبوں کے حکام بالا اور وہاں کے سیاسی و سماجی رہنماؤں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں روزگار کے وسائل کا اضافہ کرنے کی کوشش کریں تاکہ لوگوں کو اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر صرف روزگار کے لئے نہ کرنا پڑے۔

زمین پر غیر قانونی قبضہ اور کچی آبادیاں

سندھ کے شہری و دیہی علاقوں میں زمین پر ناجائز قبضہ کا عمل مسلسل جاری ہے۔ زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والے عناصر زمین پر دھیرے دھیرے قبضہ کرتے ہوئے باقاعدہ پکی آبادیوں کی تشکیل کر لیتے ہیں۔ سندھ میں زمین پر ناجائز قبضہ کا یہ عمل آج ایک باقاعدہ نفع بخش کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے زیادہ تر غیر مقامی افراد کے منظم گروہ چلا رہے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان پکی آبادیوں اور زمین پر ناجائز قبضہ کا تعلق کسی طور پر بھی غربت سے نہیں ہے۔

زمین پر ناجائز قبضہ کا کاروبار کرنے والے منظم گروہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتے ہیں زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس طرح ریاستی قوانین کا کھلا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ منظم گروہ اپنا مذموم کاروبار چلانے کے لئے پوری طرح آزاد ہیں کیوں کہ یہ نہ صرف خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں بلکہ ان کے ناجائز کاروبار کو قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی نہ صرف نظر انداز کرتے ہیں بلکہ اپنا Share طے کر کے ان سے ہر طرح کا تعاون کرتے ہیں۔

ملک کے کسی اور حصہ میں صوبائی حکومت کے اختیارات کو اتنے بڑے پیمانہ پر چیلنج نہیں کیا گیا جس طرح سندھ میں یہ ناجائز کاروبار چلانے والوں نے کیا ہے اور مسلسل کر رہے ہیں۔ سندھ میں زمین پر ناجائز قبضہ کا عمل اس لئے اور بھی آسان ہو گیا ہے کہ یہ کاروبار کرنے والے بھی بیشتر غیر مقامی ہیں اور ناجائز کاروبار کی روک تھام کے ذمہ دار افسر بھی غیر مقامی افراد پر مشتمل ہیں۔

صدر پاکستان نے ۱۹۷۸ء میں اعلان کیا تھا کہ ۱۹۷۸ء تک قائم ہونے والی تمام کچی آبادیوں کو مستقل کر دیا گیا ہے۔ یہ اعلان اس بات کی علامت تھا کہ زمین کے قبضہ کے غیر قانونی عمل کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے اور اس سے ناجائز کاروبار کرنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی ہوئی۔ نتیجۃً سندھ کے شہروں میں دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں نئی کچی آبادیاں قائم ہو گئیں۔ سات سال کے بعد سابق وزیراعظم جونیجو نے پھر اعلان کیا کہ مارچ ۱۹۸۵ء تک قائم ہونے والی تمام کچی آبادیوں کو مستقل کر دیا گیا ہے۔

ان اعلانات سے واضح ہوتا ہے کہ جب بھی کچی آبادیوں کو مستقل کرنے کا اعلان ہوتا ہے زمین پر جرید ناجائز قبضہ کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ دوسرے معنوں میں اس ناجائز کاروبار کے ضمن میں حکومت مدافعتی رویہ اختیار کرتی ہے۔ جس سے یہ مذموم کاروبار کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اس تمام صورت حال سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ حکومت سندھ نے سندھ میں آنے والے ہر نئے غیر مقامی کے لئے سندھ میں ایک (ناجائز) پلاٹ کے حق کو تسلیم کر لیا ہے اور سندھ پر غیر مقامی آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی ایک وجہ حکومت کا یہ ترغیبی عمل بھی ہے۔ اس لئے،

- ○ ..... سندھ میں صرف ۱۹۷۸ء تک کی کچی آبادیوں ہی کو مستقل کیا جائے۔
- ○ ..... زمین پر ناجائز قبضہ کے عمل کو قابل دست اندازی پولیس عمل قرار دیا جائے۔
- ○ ..... یہ ناجائز کاروبار کرنے والے یا کروانے والے کے لئے سزا کا مناسب قانون بنایا جائے اور کسی بھی علاقہ میں زمین پر ناجائز قبضہ کی صورت میں متعلقہ تھانے دار کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔
- ○ ..... انتظامات و مراعات کی صورت میں سندھ کی زمین غیر مقامیوں کو الاٹ کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے اور سندھ کی زرعی زمین بھی صرف مقامی افراد کو الاٹ کی جائیں۔

ٹرانسپورٹ

سندھ کے شہروں بالخصوص کراچی میں نجی ٹرانسپورٹ کا کنٹرول ایسے افراد کے ہاتھ میں ہے جن کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے اس ٹرانسپورٹ کے ڈرائیور بھی زیادہ تر غیر تعلیم یافتہ اور ایسے افراد ہیں جو ڈرائیونگ کا مطلوبہ معیار نہ رکھنے کے باوجود مختلف ناجائز ذرائع سے ڈرائیونگ لائسنس حاصل کر لیتے ہیں اور ٹریفک کی تیز رفتار ڈرائیونگ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی اور خواتین و بچوں سمیت تمام مسافروں سے بدسلوکی ان کا روز کا معمول ہے۔ ٹریفک پولیس ان کے خلاف کارروائی سے اس لئے اجتناب برتتی ہے کہ ان میں سے بہت سی ٹرانسپورٹ کے مالک ٹریفک پولیس یا پولیس و انتظامیہ کے بڑے افسر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹرانسپورٹروں کی

جانب سے بھتہ کی صورت میں ہر ماہ ملنے والی رشوت بھی ٹریفک پولیس کو ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی سے باز رکھتی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر کراچی میں ٹریفک حادثات کا اوسط بہت زیادہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق کراچی میں صرف منی بسوں اور بسوں کی وجہ سے ٹریفک حادثات کی شرح ۳۷۰۵ فی صد سالانہ اور دو اموات روزانہ ہے۔

کراچی میں چھ ہزار بسیں اور منی بسیں چل رہی ہیں۔ مگر شہر کی کثیر آبادی کی وجہ سے یہ تعداد ٹرانسپورٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ناکافی ہے اور کراچی کے عوام کے لئے سواری کا حصول ایک گمبھیر مسئلہ بن چکا ہے۔

کراچی کی سڑکیں بڑھتے ہوئے ٹریفک کے لئے تنگ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح سندھ کے مختلف شہروں کو ملانے والی ہائی ویز بھی بڑھتے ہوئے ٹریفک کے لئے ناکافی ہیں اور حادثات کا باعث بن رہی ہیں۔ اس لئے،

○ ..... کراچی اور حیدر آباد سمیت سندھ کے شہروں و دیہات میں ایک جدید تیز رفتار ٹرانسپورٹ نظام (مثلاً الیکٹرک ٹرینیں وغیرہ) رائج کیا جائے جیسا کہ دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں ہے۔

○ ..... سندھ کے شہروں میں سرکاری ٹرانسپورٹ کو بلدیہ کے حوالے کیا جائے۔

○ ..... کمرشل ٹرانسپورٹ ڈرائیونگ لائسنس کے حصول کے لئے تعلیم کی کم از کم لازمی سطح میٹرک مقرر کی جائے اور لائسنس کے اجراء کے لئے کمپیوٹرز کے ذریعہ ڈرائیوروں کا امتحان لیا جائے۔

○ ..... ناخواندہ افراد کو کسی طور پر بھی پیشہ ورانہ ڈرائیونگ لائسنس جاری نہ کئے جائیں اور پیشہ ورانہ ڈرائیونگ لائسنس کے اجراء میں مقامی افراد کو ترجیح دی جائے۔

○ ..... کراچی کے معروف اور اہم چوراہوں و شاہراہوں پر فلائی اوور سڑکیں تعمیر کی جائیں۔

○ ..... ٹریفک قوانین پر سختی سے عملدر آمد کو یقینی بنایا جائے۔

○ ..... سندھ کے مختلف شہروں کے درمیان سڑکوں کو چوڑا اور بہتر کیا جائے۔

○ ..... شہر کے معروف اور کاروباری و تجارتی علاقوں میں پارکنگ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے پارکنگ پلاٹ بنائے جائیں۔

○ ..... سندھ کے شہروں کے درمیان طلبہ کے لئے کرایہ کی رعایتی شرح مقرر کی جائے۔

○ ..... بھاری سامان لے کر کراچی سے باہر جانے والے لوڈنگ ٹرکوں اور ٹرالروں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور ان کے لئے شہر سے باہر ایک سڑک (Ring Road) تعمیر کی جائے جو نیشنل ہائی وے اور سپر ہائی وے کو شہر سے باہر گزارتے ہوئے بندر گاہ اور انڈسٹریل ایریا سے ملائے۔

بے روزگاری

سندھ میں ۱۵ سے ۲۹ سال کے نوجوانوں کا کل آبادی کے مقابلے میں تناسب دیگر صوبوں میں اس عمر کے نوجوانوں کے تناسب کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے اور اسی حساب سے یہاں بے روزگاری بھی زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر صوبوں سے آنے والے افراد بھی سندھ میں ملازمتیں حاصل کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ

سے صورت حال مزید گمبھیر ہو گئی ہے۔ یہ غیر مقامی افراد سندھ میں آسانی سے ملازمت حاصل کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ غیر مقامی افسر جو سرکاری' نیم سرکاری و خود مختار اداروں' کارپوریشنوں' صنعتوں' بینکوں اور پولیس و دیگر محکموں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں' ان کی مدد کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مقامی آبادی کے مفادات کے قطعی خلاف ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ۱۹۸۷ء کی ایک رپورٹ کے مطابق سندھ کی پولیس و انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے سرکاری افسران میں سے ۴۵ فیصد سندھ کا ڈومیسائل نہیں رکھتے تھے۔ گریڈ ۱۸ سے گریڈ ۲۱ تک فائز ۶۷ سی۔ ایس۔ ایس اور سی۔ ایس۔ پی افسران میں سے ۳۶ کے پاس سندھ کا' ۲۴ کے پاس پنجاب کا' ۴ کے پاس سرحد کا اور ایک کے پاس بلوچستان کا ڈومیسائل تھا۔ ان اعداد و شمار کے حوالہ کے لئے ۲۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کا "ڈیلی نیوز" کراچی دیکھا جاسکتا ہے۔

اس صورت حال نے سندھ میں بے روزگاری کے مسئلہ کو انتہائی سنجیدہ' پیچیدہ اور تکلیف دہ مسئلہ بنا دیا ہے اس لئے؛

○ ..... سندھ میں تمام سرکاری و نیم سرکاری اداروں' کارپوریشنوں اور انتظامیہ میں نچلی سطح سے اعلیٰ سطح تک کے عہدوں پر ملازمتوں کے لئے مقامی افراد کو ہر صورت میں اولیت دی جائے۔ اور وہاں فائز غیر مقامی ملازمتیں یا افسران کو ان کے اپنے صوبوں میں تعینات کیا جائے۔

○ ..... سندھ میں تجارت' صنعت اور کاروبار کے سلسلے میں مختلف سہولتوں (مثلاً نٹڈر' لائسنس' کوٹہ' تقسیم کاری' ایجنسی' صنعتیں قائم کرنے کے این۔ او۔ سی وغیرہ) کی فراہمی کے سلسلے میں مقامی افراد کو اولیت دی جائے۔ سندھ کے خالصتاً مقامی اداروں میں صرف اور صرف مقامی افراد کو ملازمتیں فراہم کی جائیں۔

ووٹ کا حق

سندھ میں رہنے والے لاکھوں غیر مقامی افراد کا سندھ کے علاوہ اپنے اصل اور آبائی صوبہ میں بھی بحیثیت ووٹر اندراج موجود ہے اور وہ دونوں جگہ ووٹ ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔ جو بے قاعدگی کے علاوہ ایک دوہرا فائدہ ہے۔ یہ افراد سندھ میں ووٹ ڈالنے کا حق استعمال کرتے ہوئے اپنے نمائندے سندھ میں بھی منتخب کرتے ہیں۔ پھر یہ نمائندے سندھ کے وسائل سے ترقیاتی بجٹ حاصل کرتے ہیں جب کہ یہ غیر مقامی ووٹرز سندھ کے وسائل میں قطعی کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ اس طرح سندھ کی مقامی آبادی کا حق مارا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جب اتنی بڑی آبادی نے اپنے اپنے صوبے اور علاقے چھوڑ دیئے ہیں تو پھر ان علاقوں اور صوبوں میں بھی اسی تناسب سے اسمبلی کی نشستوں کی تعداد میں کمی کی جانی چاہئے تھی اور قومی اسمبلی میں سندھ کی نشستوں میں اضافہ ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے:

○ سندھ میں مقامی افراد کے علاوہ کسی کو بھی ووٹ کے استعمال کا حق نہ دیا جائے۔

ووٹر کی عمر

منتخب پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے ۱۹۷۳ء کے آئین میں کہا گیا تھا کہ ملک میں جب بھی دوسرے عام انتخابات منعقد ہوں گے اس کے لئے ووٹر کی کم از کم عمر ۲۱ سال سے گھٹا کر ۱۸ سال مقرر کی جائے گی مگر ایسا نہیں کیا گیا جس سے ملک میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ووٹ کے حق سے محروم ہو گئی ہے۔ اس لئے:

○ آئندہ ہونے والے بلدیاتی اور صوبائی و قومی اسمبلی کے انتخابات میں ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق ووٹر کی کم از کم عمر ۱۸ سال مقرر کی جائے۔

کوٹہ سسٹم

موجودہ پاکستان میں سندھ وہ واحد صوبہ ہے جس کی اسمبلی نے پاکستان کے حق میں قرار داد منظور کی تھی۔ سندھ کے مسلمانوں نے پاکستان بننے کے بعد مسلم اقلیتی صوبوں سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو سندھ میں کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ اس اعتبار سے مہاجر 'سندھیوں کے احسان مند ہیں اور اس بنا پر سندھیوں سے برادرانہ تعلقات کے خواہش مند بھی ہیں۔

مہاجر اپنے ساتھ سیاسی شعور 'فنی مہارت اور قوت عمل لے کر آئے اور پاکستان بالخصوص سندھ میں ترقی کے جادو جگائے۔ پاکستان بننے کے چند برس بعد استحصالی قوتوں نے مشرقی پاکستان کی معیشت اور وسائل پر قبضہ جمانے کے لئے ون یونٹ کی تشکیل کی مگر اس کے اثرات سندھ میں بھی رونما ہوئے۔ ون یونٹ کے خاتمہ کے وقت یہاں سترہ ہزار غیر مقامی ملازمین موجود تھے۔ جنہیں ان کے صوبوں میں واپس تعینات کرنے کے بجائے سندھ پر مسلط کر دیا گیا۔

مہاجر جو کہ سیاسی قوت و بصیرت رکھتے تھے اور استحصالی عناصر کے خلاف صف آرا ہو سکتے تھے انہیں بھی کچلا جانے لگا بلکہ مختلف کوششوں کے ذریعہ مہاجروں اور سندھیوں کے درمیان محاذ آرائی اور دوریاں پیدا کی جانے لگیں۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کوشش ایوب خان کے دور میں کی گئی جب سندھی زبان کو اسکولوں سے ختم کر کے سندھی طلبہ کے لئے اردو پڑھنا لازمی قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد بھٹو صاحب کے دور میں نہ صرف دیہی شہری کوٹہ کی بنیاد پر تفریق پیدا کی گئی بلکہ لسانی فسادات کی آگ بھی بھڑکائی گئی۔ اس سلسلے کی تیسری کوشش جنرل ضیاء الحق نے اس وقت کی جب انھوں نے بیک جنبش قلم کوٹہ سسٹم میں دس سال کی توسیع کر دی جب کہ سندھیوں کے حقیقی نمائندوں کی طرف سے جنرل ضیاء الحق سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس دوران استحصالی عناصر سندھ پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے اور چاہتے تھے کہ سندھی اور مہاجر آپس میں لڑتے رہیں اور وہ سندھ کو اپنے پنجوں میں جکڑے رہیں۔ اسی لئے آج ان میں کچھ لوگ کوٹہ سسٹم کی حمایت کر کے سندھیوں کو مہاجروں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہیں اور کچھ اس کی مخالفت کر کے مہاجروں کو

سندھیوں کے خلاف اکسا رہے ہیں جب کہ حمایت و مخالفت کرنے والے ان عناصر کا کوٹہ سسٹم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس صورت حال میں ایم۔ کیو۔ ایم یہ سمجھتی ہے کہ اس مسئلہ پر ہمیں حقیقت پسندی و احتیاط کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ سندھ کا شہری آبادی میں مہاجروں کی اکثریت ہے جب کہ دیہی آبادی سندھیوں پر مشتمل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ پنجاب کے بارانی علاقوں (دیہی علاقوں) کو ترقی کی دوڑ میں شہروں کے قریب لانے کے لئے خصوصی فنڈ فراہم کئے گئے لیکن سندھ میں اس مقصد کے حصول کو جواز بنا کر دیہی و شہری کی بنیاد پر کوٹہ سسٹم نافذ کیا گیا ہے اس صورت حال میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کوٹہ سسٹم بالواسطہ طور پر مہاجروں کی الگ حیثیت و قومیت کے لئے ایک مضبوط دلیل ہے لیکن ایم۔ کیو۔ ایم سندھ میں رائج موجودہ کوٹہ سسٹم کو قطعی غیر منصفانہ اور استحصالی قوتوں کا اچھا ہتھکنڈہ سمجھتی ہے اور اس کا مؤقف یہ ہے کہ کوٹہ سسٹم پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس کو سندھی و مہاجر آبادی کی بنیاد پر نافذ ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ مختلف صوبوں کے لئے وفاق میں جو کوٹہ ہے اس کی تقسیم پر صحیح طرح عمل در آمد نہ ہونے کی وجہ سے سندھ کو اس کے حقوق سے کم کوٹہ دیا جا رہا ہے۔ اس لئے:

○ ..... سندھیوں اور مہاجروں کی صحیح اور دیانت دارانہ مردم شماری کرائی جائے اور اس مردم شماری کی بنیاد پر سندھیوں اور مہاجروں کا وفاق اور صوبہ میں جو بھی تناسب بنتا ہو اس تناسب کی بنیاد پر انہیں اقتدار سے لے کر ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں حصہ دیا جائے۔ سندھ کے پیشہ ورانہ فنی و تکنیکی تعلیمی اداروں میں سندھیوں اور مہاجروں کو ان کی آبادی کے تناسب سے داخلے دیئے جائیں۔

○ ..... منتخب سندھی اور مہاجر نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی جائے جو کوٹہ سسٹم پر منصفانہ طریقے سے عمل در آمد کرائے۔

○ ..... وفاقی ملازموں میں میرٹ کا دس فی صد کوٹہ ختم کر کے اسے تمام وفاقی یونٹوں میں آبادی کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے۔

○ ..... وفاقی ملازمتیں خواہ ان کا تعلق انتظامیہ سے ہو یا دفاع سے، ہر صوبہ کو اس کی آبادی کے تناسب سے دی جائیں۔

○ ..... آبادی کے تناسب سے سندھ کا وفاق میں جو جائز کوٹہ بنتا ہے وہ پورا دیا جائے اور اس پر حقیقی معنوں میں دیانت دارانہ طور پر عمل کیا جائے۔

صنعتی اداروں میں ملازمتیں

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ سندھ کے صنعتی اداروں میں مقامی افراد کو روزگار مہیا نہیں کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے مقامی آبادی میں احساس محرومی و بے روزگاری میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جب کہ غیر مقامی افراد کے لئے سندھ کے صنعتی اداروں میں روزگار کے سنہری مواقع مزید غیر مقامی افراد کی آمد کا باعث

بن رہے ہیں۔ حتیٰ کہ سندھ میں دریافت ہونے والے آئل فیلڈز پر بھی مقامی مزدوروں اور ہنرمندوں کو روزگار فراہم نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سندھ کے نجی صنعتی اداروں میں مزدوروں کی بھرتی ٹھیکہ داری نظام کے ذریعہ عمل میں لائی جارہی ہے۔ یہ ٹھیکہ دار زیادہ تر غیر مقامی ہوتے ہیں اس لئے وہ مقامی مزدوروں پر غیر مقامی افراد کو ترجیح دیتے ہیں اس کے علاوہ یہ ٹھیکہ دار مزدوروں کی اجرت کا ایک حصہ بغیر محنت کئے ہضم کر جاتے ہیں اس لئے :

○ ..... سندھ کے تمام سرکاری و نجی صنعتی اداروں میں ملازمتوں کے لئے مقامی افراد کو ترجیح دی جائے غیر مقامی ہنرمندوں کو صرف اس صورت میں ملازمت دی جائے جب وہ ہنرمند مقامی طور پر دستیاب نہ ہوں ایک قانون کے ذریعہ ٹھیکہ داری نظام کو فوری طور پر ختم کیا جائے اور اس نظام کے خلاف قانون بنایا جائے۔

مختلف اداروں میں مہاجروں کے ساتھ ناانصافیاں

ایوب خان کی حکومت سے موجودہ حکومت تک ہر حکومت نے ایک منصوبہ کے ذریعہ بڑی تعداد میں مہاجر اعلیٰ افسران کو مختلف حیلوں بہانوں سے اور الزامات لگا کر جبری ریٹائر کیا ہے۔ اس عمل کی وجہ سے مہاجروں میں نہ صرف شدید احساس محرومی پایا جاتا ہے بلکہ ملکی انتظامی معاملات میں عدم شرکت کا احساس بھی پیدا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سابقہ حکومتوں کی طرح آج بھی مختلف سرکاری و نیم سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں میں مستقل ایسی پالیسیاں و کارروائیاں اختیار کی جارہی ہیں جن سے نہ صرف مہاجروں کو براہ راست نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ انہیں ملازمتوں سے بھی محروم کیا جارہا ہے مثلاً موجودہ حکومت نے پی۔ آئی۔ اے میں ۲۵ سال تک ملازمت کے بعد ریٹائر کرنے کا قانون بنایا گیا ہے اصولی طور پر اس قانون کو صرف ان لوگوں پر لاگو ہونا چاہئے تھا جو اس قانون کے نفاذ کے وقت یا بعد میں ملازمت حاصل کرتے لیکن صرف مہاجر دشمنی پر عمل کرتے ہوئے اس قانون کو ان مہاجر ملازمین پر بھی لاگو کیا گیا ہے جو گذشتہ ۲۵ برس سے پی۔ آئی۔ اے میں کام کر رہے تھے اور پی۔ آئی۔ اے کو بنانے میں اور ترقی دینے میں ان کی ۲۵ سالہ خدمات کا بڑا حصہ ہے۔

چنانچہ ہمارا مطالبہ ہے کہ:

..... تمام وفاقی و صوبائی سرکاری، نیم سرکاری اداروں اور کارپوریشنوں میں ملازمتوں کے حصول اور ریٹائرمنٹ کے لئے یکساں قوانین بنائے جائیں اور ایوب خان کے دور سے اب تک جن اداروں میں غیر معمولی قوانین کا سہارا لے کر ملازمین کو جبری ریٹائر کیا گیا ہے ان کو ان کے اصل ریٹائرمنٹ تک کی مدت کا معاوضہ دیا جائے۔

○ ..... سرکاری و نیم سرکاری اداروں و کارپوریشنوں میں حصول ملازمت کے سلسلے میں ایسی تمام پالیسیاں فوری طور پر منسوخ کی جائیں جن سے مہاجروں کو براہ راست نقصان پہنچ رہا ہے۔

○ ..... مختلف اداروں سے مہاجر ملازمین کی چھانٹی کا عمل فوری طور پر بند کیا جائے۔

مہاجرین مشرقی پاکستان کی بنگلہ دیش سے منتقلی

سقوط مشرقی پاکستان کے وقت ان تمام غیر بنگالی پاکستانیوں نے 'جو مشرقی پاکستان میں تھے اور جنھیں آج عرف عام میں مہاجرین مشرقی پاکستان کہا جاتا ہے' ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستان کی سالمیت کے لئے پاکستانی فوج سے آگے بڑھ کر وطن کے دفاع کے لئے جانیں قربان کیں لیکن سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ان میں سے کچھ کو پاکستان لایا گیا جب کہ بقیہ لوگ سولہ سال گزرنے کے بعد آج بھی ریڈ کراس کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان پاکستانیوں میں سے کچھ کو پاکستان آنے کی اجازت کسی بھی اصول کے تحت دی گئی ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہاں رہ جانے والے پاکستانیوں کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے۔ جن میں سے کچھ پاکستان منتقل کئے جا چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ باقی رہ جانے والے پاکستانیوں کو کس اصول کی بنیاد پر پاکستان نہیں لایا گیا۔

اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق جب کوئی ملک تقسیم ہوتا ہے تو اس تقسیم شدہ ملک کے باشندوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی منقسم حصہ کی شہریت اختیار کر سکتے ہیں۔ عصر حاضر کی تاریخ میں برصغیر کی تقسیم اس اصول کی مثال ہے۔ تقسیم ہند کے وقت برصغیر کے لوگوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خواہ بھارت کے شہری بنیں یا پاکستان کی شہریت اختیار کریں۔

بنگلہ دیش میں محصور ان پاکستانیوں نے بنگلہ دیش نہیں بلکہ پاکستان ہجرت کی تھی اور سقوط مشرقی پاکستان کے وقت انھوں نے پاکستان کے لئے جنگ کی تھی۔ اس کے علاوہ سقوط ڈھاکہ کے بعد بھی انھوں نے نہ صرف پاکستان آنے کی خواہش ظاہر کی بلکہ وہ آج بھی خود کو پاکستانی کہتے اور سمجھتے ہیں اس لئے ان پاکستانیوں کو پاکستان آنے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور ان کے اس بنیادی حق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان پاکستانیوں کی واپسی اور آباد کاری کے لئے بین الاقوامی سطح پر فنڈ بھی جمع کئے گئے ہیں لیکن پوری دنیا میں یہ ایک واحد مثال ہے کہ کوئی حکومت اپنے ہی شہریوں کو قبول کرنے اور ان کی پاکستانی شہریت تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ حکومت پاکستان کو یہ مثال سامنے رکھنی چاہئے کہ امریکہ نے تو ویت نام میں اپنی شکست کے بعد اپنے وفادار ویت نامیوں تک کے امریکی شہریت کے حق کو تسلیم کیا تھا۔ اس لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ:

○ ..... بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے پاکستانیوں کی پاکستانی شہریت تسلیم کی جائے اور ان کی پاکستان واپسی کے فوری انتظامات کئے جائیں۔

کھوکھرا پار کا راستہ اور ڈاک کی شرح

کھوکھرا پار کا راستہ کھولنے کا مطالبہ بھارت جانے والے مہاجروں اور سندھیوں کا ایک دیرینہ مطالبہ ہے۔ سابق وزیر اعظم جونیجو نے ۱۹۸۶ء میں نشتر پارک کراچی کے جلسہ میں کھوکھرا پار کا راستہ کھولنے کا اعلان کیا تھا مگر اس اعلان پر تا حال عمل درآمد نہیں ہوا ہے۔ اگر اس راستہ کو کھول دیا جائے تو اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے بھارت جانے والے مہاجروں اور سندھیوں کے پیسے اور وقت کی بچت ہوگی۔ اس کے علاوہ بھارت

کے لئے ڈاک و تار کی موجودہ شرح پاکستان کے دیگر پڑوسی ممالک کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے مہاجروں اور سندھیوں کو بلاضرورت یہ اضافی شرح ادا کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے جو قطعی طور پر بلاجواز اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ اس لئے:

○ ..... حکومت کے اعلان اور مہاجروں و سندھیوں کے دیرینہ مطالبہ کے مطابق کھوکھرا پار کا راستہ فوری طور پر کھولا جائے۔

○ ..... بھارت کے لئے بھی ڈاک و تار کی وہی شرح مقرر کی جائے جو پاکستان کے دیگر پڑوسی ممالک کے لئے ہے۔

تعلیمی ادارے

عام طور پر تعلیمی اداروں میں اسی علاقہ کے مقامی طلبہ کو داخلوں میں ترجیح دی جاتی ہے لیکن سندھ کے تعلیمی اداروں خصوصاً پیشہ وارانہ تعلیمی اداروں میں صورت حال اس سے مختلف ہے حتیٰ کہ بعض تعلیمی ادارے ایسے بھی ہیں جن میں داخلوں کے وقت مقامی طلبہ کو یکسر نظرانداز کیا جاتا ہے۔

سندھ میں خواندگی کی شرح ملک کے دیگر علاقوں سے کہیں زیادہ ہے جب کہ سندھ میں تعلیمی اداروں کی کمی کے باعث ہزاروں نوجوان اور بچے اسکولوں اور کالجوں میں داخلے حاصل نہ کرنے کی وجہ سے تعلیم کے حصول سے محروم رہ جاتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں سرکاری سطح پر نئے تعلیمی ادارے قائم نہیں کئے جارہے مزید یہ کہ موجودہ تعلیمی اداروں کو حکومت اضافی فنڈز دے کر ان میں مزید طلبہ کی گنجائش بھی پیدا نہیں کر رہی ہے اس لئے:

○ ..... سندھ کے تعلیمی اداروں میں مقامی افراد کو داخلوں میں اوّلیت دی جائے اور سندھ کے اداروں میں صرف وفاقی حکومت کے ان غیر مقامی ملازمین کے بچوں کو داخلہ دیا جائے جو سندھ میں متعین ہیں۔

○ ..... کراچی کی طالبات کو نواب شاہ میڈیکل کالج بھیجنے کا سلسلہ بند کیا جائے اور کراچی کی طالبات کو کراچی کے میڈیکل کالجوں میں داخلہ دیا جائے۔

○ ..... سندھ کی جامعات اور تعلیمی اداروں کی گرانٹ میں اضافہ کیا جائے اور گرانٹ کو طلبہ کی تعداد کی مناسبت سے مقرر کیا جائے۔

○ ..... سندھ میں خواندگی کی بڑھتی ہوئی شرح کے لحاظ سے اسکولوں، کالجوں، پیشہ وارانہ و فنی تعلیمی اداروں اور جامعات کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

○ ..... کراچی میں کم از کم ایک جامعہ اور میڈیکل کالج فوری طور پر قائم کیا جائے۔

○ ..... سندھ کے تعلیمی بجٹ میں سندھ میں خواندگی کی بڑھتی ہوئی شرح کے لحاظ سے اضافہ کیا جائے۔

صحت

سندھ کے عوام کی اکثریت آج بھی علاج معالجہ کی مناسب سہولت سے محروم ہے۔ سندھ کی آبادی کے لحاظ سے موجودہ سرکاری اسپتالوں میں تعداد انتہائی کم ہے اور جو اسپتال موجود ہیں ان میں ادویات اور دوسری سہولتوں کی کمی ہے۔ جب کہ نجی اسپتالوں کا خرچ ایک عام آدمی کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اس صورت حال کی وجہ سے بیمار افراد کا تناسب بڑھتا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ کراچی میں واقع سندھ میڈیکل کالج پاکستان کا واحد میڈیکل کالج ہے جس کا اپنا کوئی اسپتال نہیں ہے جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سنٹر ایک وفاقی ادارہ ہے جہاں کوٹہ کے حساب سے پورے ملک کے ڈاکٹروں کو ملازمتیں وغیرہ دی جاتی ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے سندھ میڈیکل کالج سے فارغ التحصیل ہونے والے ڈاکٹروں کی بڑی تعداد ہاؤس جاب اور جاب سے محروم رہتی ہے اور نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر تجربہ حاصل نہیں کر پاتے بلکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی تسلیم شدہ اسپتال میں کام کرنے کی بنیادی شرط بھی پوری نہیں کر پاتے اور یوں اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لئے:

○ ..... سندھ میں صحت کی مد میں خرچ کی جانے والی رقم میں معقول اضافہ کیا جائے۔

○ ..... موجودہ اسپتالوں کو بہتر بنایا جائے اور جہاں بھی ممکن ہو توسیع کر کے مزید بستروں کی گنجائش پیدا کی جائے۔

○ ..... سندھ میڈیکل کالج سے منسلک ایک علیحدہ اسپتال قائم کیا جائے یا جناح اسپتال کو سندھ میڈیکل کالج کے ساتھ منسلک کر کے اسے حکومت سندھ کی تحویل میں دے دیا جائے۔

رہائشی سہولتیں

سندھ کے شہری و دیہی عوام کے ایک بڑے حصہ کے پاس سر چھپانے کے لئے ذاتی مکان نہیں ہے۔ بالخصوص شہروں میں سیکڑوں گنجان آبادیاں ایسی ہیں جہاں ایک چھوٹے سے مکان میں کئی کئی خاندان ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ سندھیوں اور مہاجروں کی طرح سندھ بشمول کراچی کے قدیم بلوچ، کچھی اور کچھی آج بھی کچی بستیوں میں رہتے ہیں اور یہ بستیاں زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں ان لوگوں کو ان کے جائز حقوق ملنے چاہئیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ:

○ ..... ایک مخصوص اسکیم کے تحت سندھ کی مقامی آبادی کے ان تمام خاندانوں کو کم قیمتوں پر ایک پلاٹ فی خاندان دیا جائے جو ذاتی مکان سے محروم ہیں اور وہ خاندان جو پلاٹ خرید نے یا پلاٹ پر مکان بنانے کے استطاعت نہ رکھتے ہوں ان کو سادہ طریقہ کار کے تحت آسان شرائط پر قرضہ فراہم کیا جائے۔

کے۔ ای۔ ایس۔ سی

یہ کارپوریشن پہلے حکومت سندھ کے تحت کام کر رہی تھی لیکن چند سال پہلے اسے بلاجواز واپڈا کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ کے۔ ای۔ ایس۔ سی کے واپڈا میں ضم ہونے سے نہ صرف سیکڑوں مقامی افراد ملازمتوں سے

محروم ہوگئے اور غیر مقامی افراد کی بھرتی شروع کر دی گئی بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس کارپوریشن کی کارکردگی پر بھی بہت برا اثر پڑا ہے۔ اس لئے:

○ ..... کے ای۔ ایس۔ سی کو واپڈا سے علیحدہ کر کے اس کی سابقہ حیثیت دوبارہ بحال کی جائے اور کے۔ ای۔ ایس۔ سی میں موجود غیر مقامی افراد کو یہاں سے ہٹا کر ان کی خدمات واپڈا کے حوالے کر دی جائیں۔

فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز

کراچی میں ملک کے دیگر حصوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز وصول کئے جارہے ہیں جو کراچی کے عوام کے ساتھ کھلی ناانصافی اور امتیازی سلوک ہے۔ اس لئے:

○ ..... فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز کی شرح پورے ملک میں یکساں مقرر کی جائے۔

سیلز ٹیکس

اپنے ترقیاتی پروگراموں کے لئے حکومت سندھ کے پاس فنڈز کی شدید کمی ہے اور اسے ترقیاتی پروگرام جاری رکھنے کے لئے بار بار وفاقی حکومت سے یا بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضہ لینا پڑتا ہے جب کہ سندھ وفاقی حکومت کو سب سے زیادہ ٹیکس (محاصل) ادا کرنے والا صوبہ ہے اس لئے:

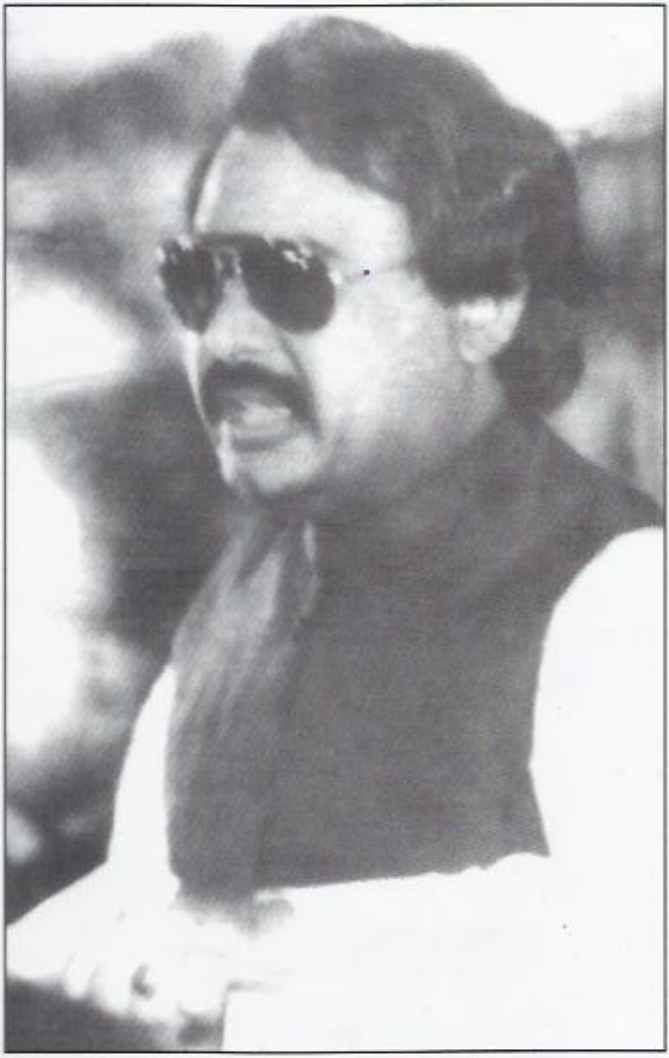
○ ..... سندھ کی حکومت کو سیلز ٹیکس وصول کرنے کا اختیار دیا جائے۔

عام تعطیل

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ سندھ کے مشہور صوفی اور عظیم آفاقی شاعر تھے جنھوں نے دنیا کو امن اور محبت کا درس دیا۔ شاہ لطیف سے صرف سندھ ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے دیگر علاقوں کے لوگ بھی گہری عقیدت و محبت رکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی خدمت خلق اور انسان دوستی کے لئے وقف کر دی تھی۔ خان لیاقت علی خان تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنما اور پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے جنھوں نے پاکستان کی خاطر نوابی اور ریاست کو ٹھوکر مار دی اور خالی ہاتھ پاکستان ہجرت کی۔ لیاقت علی خان پورے ملک کے عوام کے رہنما اور قومی ہیرو تھے انہیں جب راولپنڈی کے بھرے جلسہ میں شہید کیا گیا تو آخر وقت بھی ان کی زبان پر پاکستان کے لئے دعائیہ کلمات تھے۔ اس لئے:

○ ..... پاکستان خصوصاً سندھ کے عوام کے جذبات اور شاہ لطیف و لیاقت علی خان کی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے ان عظیم ہستیوں کی یاد منانے کے لئے شاہ لطیفؒ کی برسی اور لیاقت علی خان کا یوم شہادت قومی دن کے طور پر منایا جائے اور ان دنوں میں پورے ملک میں عام تعطیل کی جائے۔





فرید پبلشرز
12، مبارک محل، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 021- 32770057
E-mail : mdfaridbooks1@live.com, Cell: 0345-2360378 - 0331-9277005